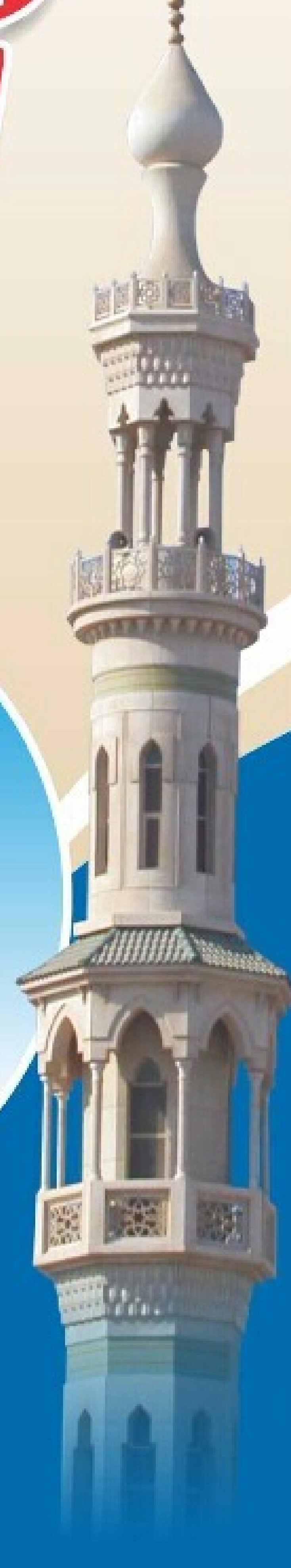
سہ ماہی

مجلہ

رُشد و ہدایت

اکتوبر تا دسمبر 2015





مدیر تحریر

مولانا ضیاء الحق خیر آبادی

مدیر مسئول

مولانا عبدالعظیم قاسمی

مرکزِ اشاعت

مدرسہ تحفیظ القرآن، سکٹھی، مبارکپور، ضلع اعظم گڈھ (یوپی) 276404

EMAIL: zeyaulhaquekbd@gmail.com

مدرسہ تحفیظ القرآن سکٹھی مبارکپور کا دینی وعلمی واصلاحی ترجمان

سہ ماہی

مجلّہ رُشد وہدایت

جلد نمبر:۱ | محرم، صفر، ربیع الاول ۱۴۳۷ھ (اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۵ء) | شمارہ نمبر:۱

مدیر تحریر
مولانا ضیاء الحق خیرآبادی
9235327576

مدیر مسئول
مولانا عبدالعظیم قاسمی
9559999984

مرکزِ اشاعت: **مدرسہ تحفیظ القرآن**

سکٹھی، شاہ محمد پور، پوسٹ مبارکپور، ضلع اعظم گڈھ (یوپی) 276404

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

زرِ تعاون

سالانہ: =/100 | فی شمارہ: =/25 | خصوصی: =/1000

بسم اللہ الرحمن الرحیم

افتتاحیہ

از: مدیر مسئول

رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ حق ہے کہ: **الدنیا سجن للمؤمن**، کہ دنیا مومن کیلئے قید خانہ ہے۔

موجودہ دور مسلمانان عالم کیلئے سخت ابتلاء وآزمائش کا دور ہے، یوں تو ہر زمانہ اور عہد میں مسلمانوں پر حوادث وآفات کی یورش ہوتی رہی ہے، اور اس سے پریشان ہونا ایک فطری امر بھی ہے، پھر کچھ عرصہ کے بعد حالات سازگار ہو جاتے ہیں، لیکن ادھر کچھ دنوں سے کچھ ایسی صورتحال بنتی جا رہی ہے کہ مسلم ممالک کی آپس میں بڑھتی ہوئی کشمکش، باہمی ٹکراؤ، مسلکی تعصب، اور اسلام دشمن طاقتوں کی طرف سے بے دریغ مسلم ممالک کے نہتے عوام پر بمباری وغیرہ ایسے حالات وواقعات ہیں جو ایک نئے انقلاب کی خبر دے رہے ہیں۔

خود ہمارا ملک ہندوستان جہاں اسلام کے نام لیواؤں نے صدیوں تک حکمرانی کی ہے، پھر تخت حکومت کو ایک غیر قوم کے ہاتھوں میں جاتے ہوئے دیکھا، جس نے اہل اسلام کے خلاف ظلم وستم کی تمام حدیں پار کر دیں، لیکن مسلمانوں نے ان تمام حالات کا نہایت پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا ،اور اس ظالم قوم کو بوریا بستر لپیٹنے پر مجبور کر دیا۔

آج پھر ملک کے حالات اسی ڈگر پر جا رہے ہیں جیسا کہ اسلامی حکومت کے خاتمہ کے بعد تھے، اور ایک بار پھر مسلمانوں کے وجود کو مٹا دینے کی خطرناک سازشیں جاری ہیں، جن کا مختلف شکلوں میں ظہور ہوتا رہتا ہے، جن سے ہر محبّ وطن شہری فکرمند ہے۔ اب اہل اسلام کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ ان حالات کا مقابلہ قرآنی تعلیمات اور اسوۂ رسول کی روشنی میں کریں، اور برادران وطن کے دلوں میں جو نفرت وعداوت اور غم وغصہ ہے اسے اسلام کی پاکیزہ تعلیمات سے دور کرنے کی کوشش کریں، سختی کا جواب سختی نہیں بلکہ نرمی ہے، ارشاد ربانی ہے: **اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ**۔

جب ہم قرآن وحدیث کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں گے تو انشاء اللہ ضرور حالات بدلیں گے۔

اداریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آغاز سخن

از:۔ مدیر تحریر

(۱)

مدرسہ تحفیظ القرآن (سکھٹی، مبارکپور) اس وقت اپنی عمر کی ساتویں منزل میں قدم رکھ رہا ہے، اور الحمد اللہ روز بروز ترقی کی راہ پر گامزن ہے، آج سے سات سال پہلے ایک مکتب کی شکل میں اس کا قیام عمل میں آیا تھا اور چند بچوں کو لیکر اس کا آغاز کیا گیا تھا، اور دیکھتے ہی دیکھتے درجہ اطفال و پرائمری پانچ تک کے درجات قائم ہو گئے، اور اسی کے ساتھ ساتھ درجہ حفظ کا قیام عمل میں آیا اور اس وقت بحمد اللہ اس کے دو درجے قائم ہو چکے ہیں، یہ سب مدرسہ کے جواں سال و جواں ہمت ناظم مولانا عبد العظیم صاحب کی غیر معمولی استقامت و حوصلہ مندی کا نتیجہ ہے، انھوں نے مدرسہ کے قیام کے بعد اپنی تمام تر قوت و توانائی اس کی تعمیر و ترقی میں لگا اور کھپا دی، اور محاورتاً نہیں حقیقتاً اس کیلئے تن من دھن کی بازی لگا دی، جس کا نتیجہ اس حیرت انگیز ترقی کی شکل میں سامنے ہے۔ واقعی ایسے دور میں جبکہ دین اور امور دین سے دوری اور بُعد روز افزوں ہے اس طرح کے ادارے قائم کرنا اور اسے پروان چڑھانا بڑے حوصلے اور ہمت کی بات ہے، مولانا کے عزم جواں نے اتنے ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ انھوں نے امسال فارسی و عربی کے درجات بھی قائم کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کے لئے انھوں نے مجھے دعوت دی، اپنی بعض مجبوریوں کی وجہ سے اس وقت میرا گھر پر رہنا ضروری تھا، لیکن مولانا کے پُر خلوص اصرار کو دیکھتے ہوئے میں نے ہاں کردی اور صورت یہ بنی کہ روزانہ صبح مدرسہ آؤں اور پڑھا کر گھر چلا جاؤں، اب تک اسی پر عمل ہو رہا ہے اور فارسی اور عربی اول کے درجے میں چند طلبا آ گئے ہیں اور تعلیم شروع ہو گئی ہے، انشاء اللہ آئندہ اس کو مزید وسعت دی جائے گی۔

میرے آنے کے بعد مولانا موصوف نے ایک اور کام کا ارادہ کیا، وہ یہ کہ ایک عام فہم دینی رسالہ مدرسہ سے نکالا جائے جس کے ذریعہ دینی واصلاحی باتیں لوگوں تک پہونچائی جائیں، اور مدرسہ کا دائرۂ فیض طلبا سے گزر کر عوام الناس تک بھی پہونچے، لیکن جاننے والے جانتے ہیں اس دور میں کوئی رسالہ یا میگزین نکالنا وہ بھی خالص دینی واصلاحی، کس قدر مشکل کام ہے، اگر کسی طرح آدمی محنت وکوشش اور جتن کر کے رسالہ نکال بھی لے تو اس کے لئے خریداروں کی فراہمی ایک دشوار اور مشکل مرحلہ بن جاتا ہے، قوم کے علمی ذوق کا عمومی حال یہ ہے کہ اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگوں کو بھی کسی کتاب یا رسالے کو ہاتھ میں لئے ہوئے ایک مدت گزر جاتی ہے، مجھے دس بارہ سال تک ایک ماہانہ رسالہ نکال کر اس کا خوب تجربہ ہو چکا ہے۔ میں نے ان تجربات کو مولانا کے سامنے رکھا تو طے یہ پایا کہ جیسے مدرسہ دین اور علم دین کی نشر واشاعت کیلئے ہے اسی طرح یہ رسالہ بھی تبلیغ دین کے لئے ہے اس میں دنیاوی نفع ونقصان نہیں بلکہ اصل مقصود یعنی تبلیغ دین اور اشاعت علم پر نگاہ رہے کہ اس کے ذریعہ علم صحیح کو لوگوں تک پہونچایا جائے اور ان کے عقائد واعمال کی درستگی کی کوشش اس میدان سے بھی کی جائے، اسی نیت اور ارادے سے بنام خدا اس کا آغاز کیا جارہا ہے۔ پہلے ایک سال تک تو اسے سہ ماہی رکھنے کا ارادہ ہے اس کے بعد جیسے احوال ہوں گے اسی کے اعتبار سے، اسے دو ماہی یا ماہانہ بھی کیا جاسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائیں، اور مزید خدمات کی توفیق عطا فرمائیں۔

☆☆☆☆☆

(۲)

ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جہاں بہت سے مذاہب کے ماننے والے اور مختلف افکار ونظریات کے حامل افراد بستے ہیں، یہاں صدیوں سے باہمی اتحاد اور مذہبی رواداری کی روایت قائم تھی، یہاں کی دو بڑی قومیں ہندو اور مسلمان باہم شیر وشکر کی طرح تھے، تحریک آزادی میں بھی دونوں کا اتحاد مثالی اور غیر معمولی تھا، مگر اسی دوران ہندو مہاسبھا اور آر ایس ایس جیسی فرقہ پرست تنظیمیں منافرت کا زہر گھولنے میں مصروف تھیں، انگریز بھی اپنے مفاد کے پیش نظر اسے ہوا دیتے رہے، ادھر جب کاروانِ آزادی اپنی منزل پر پہونچا تو ملک کی آزادی تقسیم کی خوفناک صورت میں ظاہر ہوئی، جس نے ہندو اور مسلمانوں کے درمیان بہت دوری پیدا کر دی، اور اس نے فرقہ پرست تنظیموں کو بہت

تقویت پہونچائی اوران کے مشن کی کامیابی کا ایک ذریعہ بن گئی۔ یہ تنظیمیں ایک منظم انداز اور پلان کے تحت پورے ملک پر چھاتی چلی گئیں، پھر وہ دور بھی آیا کہ مرکز میں ان کی حکومت قائم ہوگئی، پھر تو ان کو کھل کھیلنے کا موقع مل گیا، ایک طرف تو ملک کے جمہوری کردار اور سیکولر دستور کو ختم کرنے کی سازش اور تیاری شروع ہوگئی، تو دوسری جانب فرقہ وارانہ فسادات کے ذریعہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان نفرت وعداوت کی خلیج پیدا کرنے اوراس کو وسیع سے وسیع تر کرنے کی کوشش اور محنت تیز تر ہوگئی ،جس کے نتیجہ میں ہندو مسلم اتحاد اور بین المذاہب رواداری کو سخت خطرہ ہے،صدیوں سے جس مثالی انداز میں تمام مذاہب کے لوگ آپس میں مل جل کر رہتے تھے وہ ہندوستان کی مایہ ناز تہذیب کا حصہ تھا مگر اس وقت جو صورتحال ہے اس میں باہمی منافرت دن بدن بڑھتی ہی جارہی ہے جو انتہائی تشویشناک بات ہے، اور متحدہ قومیت، ہندوستان کی سالمیت اور خود مسلمانوں کے تحفظ کے لئے خطرہ کی گھنٹی ہے،جس نے ملک کے تمام باشعور اشخاص اور دانشوروں کو تشویش میں مبتلا کردیا ہے۔فرقہ پرست لابی جسے مرکزی حکومت کی سرپرستی حاصل ہے اپنے ایجنڈے پر زور وشور سے کام کررہی ہے، ہندو مسلم دونوں کی نئی نسل غلط فہمیوں کا شکار ہے اور ایک دوسرے سے دن بدن دور ہوتی جارہی ہے، جس کے اثرات ہر جگہ اور ہر سطح پر ظاہر ہورہے ہیں۔

اس صورتحال نے ارباب فکر ونظر کو اس بات کی جانب متوجہ کیا کہ اس بڑھتی ہوئی دوری کو ختم کرنے کیلئے بھرپور کوشش کی جائے۔اپنی، ملت اسلامیہ کی، اور آئندہ پیش آنے والے حالات کی فکر کرتے ہوئے مسلمانوں کی نئی نسل کی تعلیم وتربیت، ان کے ایمان وعقیدہ کے استحکام اور اخلاق وکردار کی آبیاری کے لئے متواتر جدوجہد کی جائے اور جہاں تک بن پڑے ان کو ملت اسلامیہ اور انسانیت کی خدمت کے لئے بہتر سے بہتر صورت میں تیار کرنے کی کوشش کی جائے۔مدارس اسلامیہ اس سلسلہ میں ایک موثر اور بنیادی کردار ادا کرسکتے ہیں، لیکن ان پر بھی ایک جمود کی سی کیفیت طاری ہے، اکثر مدارس میں اس بنیادی کام کی کمی خاصی واضح طور پر نظر آرہی ہے، حالانکہ مدارس کا سلسلہ تو درحقیقت اسی لئے شروع ہوا تھا جیسا کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے افکار وخیالات سے معلوم ہوتا ہے۔یعنی اچھے طالب علموں کی تیاری کی محنت اور ایسے علماء کو وجود میں لانے کی بھرپور جدوجہد، جو اپنے اپنے علاقوں اور ملت کی اجتماعی ضروریات اور تازہ ظاہر ہونے والے مسائل، فتنوں اور دین وعقیدہ کے لئے خطرہ بننے والے چیلنجوں کا اس طرح مقابلہ کرتے کہ ان سب کا رخ پھیر دیتے، اور

امت کے افراد کو صاف صاف نظر آتا کہ۔

ابھی کچھ لوگ باقی ہیں زمانے میں

مگر افسوس! ایسے افراد کا وجود قصہ کہانی بنتا جارہا ہے، اب تو صورتحال یہ ہے کہ نہ اپنی فکر ہے نہ اپنے نوجوانوں اور نسلِ نو کی اور نہ ملت کے سر منڈلانے والے خطرات ونقصانات کی۔ اس لئے ہم پر ضروری ہے کہ خوابِ غفلت سے اٹھیں اور اسلامی تعلیمات اور سیرت نبوی کی روشنی میں فرقہ پرست عناصر کے ذریعہ پھیلائے ہوئے شکوک وشبہات کو دور کریں اور انھیں اعلیٰ اسلامی اخلاق وکردار اور مذہبی رواداری کے ذریعہ اپنے سے قریب کریں، اور انھیں اسلامی تعلیمات سے آگاہ کرکے مشترکہ پُرسکون اور قومی اتحاد واتفاق والی زندگی گزارنے کا ماحول بنائیں۔ غیر مسلم نئی نسل اور سیدھی سادی عوام کے سامنے تحریک آزادی کے مسلم وہندو لیڈران اور علماء کرام کے مثالی اتحاد کی تاریخ پیش کریں، اور ماضی کی تاریخ کے اوراق ان کے سامنے لائے جائیں جہاں یہ دونوں قومیں شیر وشکر کی طرح رہتی تھیں۔

ان حالات سے سب سے زیادہ نئی نسل متاثر ہے خصوصاً اسکول کالج کے اسٹوڈنٹس اور مدارس کے طلبا! تو ان کے درمیان تعلقات وروابط کو عام کیا جائے تاکہ یہ ایک دوسرے کے احوال سے واقف ہوسکیں، اس لئے بیشتر غلط فہمیاں ناواقفیت ہی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں، اور ان کی فکری وجسمانی توانائیوں کو ملک وملت اور قوم کے اتحاد واتفاق کیلئے استعمال کرنے کا لائحۂ عمل تیار کیا جائے۔ اگر اس فکر کے ساتھ محنت کی گئی تو ان شاء اللہ عنقریب اس کے خوشگوار نتائج سامنے آئیں گے اور نفرت وعداوت کی بدلیاں چھٹیں گی اور انھیں سے اخوت ومحبت کا آفتاب طلوع ہوگا۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۲؍ربیع الاوّل کے ہنگامے

حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ

ان حروف کا لکھنے والا ایک ضرورت سے ہندوستان کے معروف شہر بمبئی گیا ہوا تھا، ۱۲؍ربیع الاول کو بمبئی کے مشہور محلّہ مدن پورہ، مولانا آزاد روڈ کے ایک مکان پر ٹھہرا ہوا تھا، اس نے دیکھا کہ یہاں مسلمانوں کا ایک طبقہ اپنے پیغمبر ﷺ کی ولادت پر عید منا رہا ہے۔ مشہور یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت مبارکہ آج سے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے ۱۲؍ربیع الاول کو ہوئی تھی، اس تاریخ میں آپ کی ولادت کا ہونا کوئی تحقیقی اور قطعی بات نہیں ہے، بہت سے محققین نے اس سے اختلاف کیا ہے، لیکن یہاں ہندوستان میں اسی مشکوک اور غیر یقینی تاریخ کو یقینی اور قطعی بنا کر ایک عجیب وغریب عید منائی جاتی ہے، اور اسے نام ''عید میلاد النبی'' کا دیا جاتا ہے۔ یہ عید ہندوستان و پاکستان کے بیشتر شہروں میں منائی جاتی ہے، اور اسے ایک خاص انتہا پسند اور جارحیت زدہ فرقہ کی سرپرستی حاصل ہے۔ بہت سی جگہوں پر اس عید میلاد النبی کے تماشے سڑک پر نظر آئے، لیکن بمبئی میں جو نقشہ دیکھا، وہ اور کہیں نظر نہ آیا، اس عید میں جو چیز قدر مشترک ہے وہ تو ہر جگہ ایک ہی ہے، یعنی جھنڈوں کے ساتھ سڑکوں پر جلوس نکالنا، لاؤڈ اسپیکر لگا کر نعت خوانی کرنا، شور وغل کرنا، بلند وبانگ نعرے لگانا، سڑکوں کو جام کرنا، راہ چلتے لوگوں کو پریشانی میں ڈالنا، امن وسکون کے ماحول کو پُر خطر اور مخدوش بنانا وغیرہ، لیکن بمبئی میں رنگ ہی کچھ اور تھا۔

بمبئی میں عید میلاد النبی کا جلوس سڑکوں پر نکالا گیا تھا، اور ٹرک ایک دو نہیں سینکڑوں بلکہ شاید ہزاروں کی تعداد میں رہے ہوں گے۔ ۳؍بجے دن سے مولانا آزاد روڈ پر یہ جلوس شروع ہوا، تو دس بجے رات تک مسلسل یہ جلوس چلتا رہا، یکے بعد دیگرے ٹرک نکلتے رہے، ہر ٹرک الگ الگ انداز سے سجایا گیا تھا، کوئی پھولوں سے آراستہ تھا، کسی کو پھلوں سے سجایا گیا تھا، کسی پر بڑے بڑے بینر لگے ہوئے تھے، الگ الگ جماعتوں، انجمنوں، برادریوں، پیشہ وروں اور محلوں کے الگ الگ ٹرک تھے،

ہر ٹرک پر اوباش اور لاخیرے قسم کے نوجوان اور لڑکے ہڑبونگ مچا رہے تھے، سڑک پر اِترا اِترا کر ناچ رہے تھے، تھرک رہے تھے، ڈھول تاشے بجا رہے تھے، نماز کا وقت ہے، مسجدوں میں نمازیں ہو رہی ہیں، اور یہ عاشقان رسول نعرے لگا رہے ہیں، ''علی کا دامن نہیں چھوڑیں گے'' ''غوث کا دامن نہیں چھوڑیں گے'' ''خواجہ کا دامن نہیں چھوڑیں گے'' ''آدھی روٹی کھائیں گے، اسلام کو بچائیں گے'' ''چوبیس نمبر ہائے ہائے'' انھیں نعروں کے شور وغل میں اسلام کو بچانے والے نمازوں کو برباد کر رہے تھے، نمازیوں کو پریشان کر رہے تھے، مسجدوں کی بے حرمتی کر رہے تھے، ٹریفک جام، راہ رَو پریشان، پولیس کا عملہ دم بخود، عام لوگ سراسیمہ، اور اسلام کے یہ نام لیوا بہادر اچھل اچھل کر ''نہیں چھوڑیں گے، نہیں چھوڑیں گے'' کے نعرے لگا س رہے تھے۔

ایک شخص بیٹھا سوچ رہا تھا کہ قرآن سے، احادیث رسول سے، تاریخ کے مطالعہ سے، اور اپنے اساتذہ کے ذریعے واسطہ در واسطہ رسول اللہ ﷺ سے، مذہب اسلام کی جو حقیقت اور صورت سمجھ میں آتی ہے وہ اس موجودہ تصویر سے کتنی مختلف ہے۔

دین اسلام ایک سنجیدہ اور دانشمندانہ مذہب ہے، جس میں اللہ کی عبادت کا وہ عمدہ ترین طریقہ ہے جس سے بہتر تو کیا، اس کے برابر بھی سوچا نہیں جا سکتا، اس میں معاملات کی دیانت اور صفائی ہے، اس میں اخلاق کی بلندی ہے، اس کی تعلیم یہ ہے کہ مسلمان کی ذات سے بجز اذن الٰہی کے کسی کو ذرا بھی ایذاء نہ پہونچے، اس مذہب میں لہو ولعب، خرافات، گانے بجانے، ناچنے تھرکنے، اچھلنے کودنے، اور لغویات کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اگر کسی کھیل کی اسلام نے اجازت دی ہے، تو اس میں بھی سنجیدگی اور مقصدیت کے پہلو کو برقرار رکھا ہے، اسلام ہر محل اور ہر زمان میں ایک نافع، بابرکت اور دل آویز دستورِ حیات ہے۔

سوچنے والا سوچے جا رہا تھا کہ یہ اسلام جو بمبئی کی سڑکوں پر نظر آ رہا ہے، یہ اسلام تو نہ قرآن کے تیس پاروں میں نظر آتا ہے، نہ حدیث کے ذخیروں میں ملتا ہے، نہ ائمہ کرام کی مدون کردہ فقہ میں ملتا ہے، نہ تاریخ اسلام کے صفحات میں ملتا ہے، یہ کون سا اسلام ہے جس کو یہ جیالے بچانے چلے ہیں، نہ جانے علی کا، غوث کا، اور خواجہ کا کون سا دامن ہے جسے یہ بہادر نہیں چھوڑیں گے۔ علی کا دامن ان کے ہاتھ میں ہوتا، تو یہ دن کو میدان جہاد میں صف آرا ہوتے، اور رات کو مصلوں پر مصروفِ مناجات ہوتے، غوث اور خواجہ کا دامن ہاتھ میں ہوتا، تو یہ مسجدوں اور خانقاہوں میں نظر آتے، لیکن یہ تو سڑک پر

اچھل کود رہے ہیں، راستہ بند کئے ہوئے ہیں، عوام الناس کو تنگی میں ڈال رہے ہیں، وہ اسلام جسے رسول اللہ ﷺ نے پیش کیا ہے، جس کی تکمیل آپ کی حیات مبارکہ میں ہی کردی گئی تھی، جس میں اب کسی اضافہ وترمیم کی گنجائش نہیں ہے، اس کے دائرے میں یہ جلوس، جلوس کے یہ نعرے، یہ ہڑبونگ، اور ہڑبونگ کے یہ وحشت ناک تماشے تو قطعاً نہیں ہیں۔

پھر اسے کیا کہا جائے، یہ اسلام تو ہے نہیں، اور اگر کسی کو اصرار ہو کہ یہ اسلام ہے، تو یقیناً نیا اسلام ہے، وہ اسلام نہیں ہے جس کی تعلیم حضور اکرم ﷺ نے دی ہے، جس کو مان کر صحابۂ کرام ﷺ علم وعمل اور تقویٰ وتدین کی بلندیوں سے سرفراز ہوئے تھے، جس کے پیرو تابعین، ائمہ اور تمام علمائے دین تھے، جس پر عمل پیرا ہونے والے حضرت سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی تھے۔(علیہم الرحمہ)

☆☆☆☆☆

ہر مسلمان جانتا ہے کہ کبریائی اور بڑائی اللہ ہی کے لئے ہے، وہی سب کا حاجت روا اور مشکل کشا ہے، ساری کائنات کا بلاشرکت غیرے اکیلا مالک ومدبر ہے، وہی خالق ہے، وہی صاحب تصرف ہے، اسی کا حکم پورے نظام عالم میں نافذ ہے، اس کے ساتھ کسی تصرف میں کوئی شریک نہیں ہے، معبود وہی ہے، باقی سب محتاج اور غلام ہیں، وہ موت وحیات کا مالک ہے۔ تمام امور اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں، اس کے اذن کے بغیر ایک پتہ بھی ہل نہیں سکتا، اور ہر مسلمان یہ بھی جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور رضا حاصل کرنے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قدم بہ قدم پیروی کی جائے، اگر کسی نے ان کا راستہ ذرا بھی چھوڑا، تو وہ جہاں بھی پہونچے، مگر اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کو نہیں پہونچ سکتا، معیار وہی ہیں، انھیں کی پیروی کرنے سے مرتبہ ملا، جس کو ملا۔ یہ بزرگانِ دین اور مشائخ کبار جن کی ولایت کی دنیا معترف ہے، انھیں یہ ولایت حضور اکرم ﷺ کے نقش قدم پر چل کر ہی ملی ہے، ان کا اصل کمال اتباع واطاعت ہی میں مضمر ہے۔

لیکن اب دیکھئے کہ رسول اللہ اور اولیاء کرام ہی کا نام لے لے کرامت کن خرافات میں مبتلا ہوگئی ہے، دین کی اصل حقیقت رسوم ومظاہر میں گم ہوگئی ہے، فرائض سے کوئی واسطہ نہیں۔

سنتوں کا نور زندگیوں سے غائب ہے، حرام وحلال کی تمیز باقی نہیں رہی، مگر بزرگوں کا نام بیچ میں لاکر لوگوں نے توحید کی جگہ شرک کو، سنت کی جگہ بدعت کو جاری کر رکھا ہے، عید میلاد النبی ہو، یا

گیارہویں شریف، شب معراج ہو یا یوم عاشوراء، خواجہ اجمیری کی زیارت ہو یا کچھو چھہ کا مزار، اور اس کے علاوہ ہندوستان بھر میں پھیلے ہوئے مزارات، ہر موقع اور ہر جگہ پر دیکھ لیجئے کہ انھیں بزرگوں کا نام لے لے کر اور انھیں کی عقیدت ومحبت کا نعرہ لگا لگا کر کن کن خرافات کے مرتکب اسی اسلام کے نام لیوا ہوتے ہیں، جس کو جناب نبی کریم ﷺ لائے تھے، جس اسلام نے شرک کو اور شرک کے آثار کو یکسر ختم کر دیا تھا، اب اسی اسلام کا دم بھرنے والے گلے گلے تک شرک میں ڈوبے ہوئے ہیں، لیکن پھر بھی مسلمان ہیں۔

پھر اتنے ہی پر بس نہیں، اسلام جو ایک نہایت سنجیدہ دین تھا، اس کے ماننے والے اسی کے نام پر خرافات کو ایجاد کر کے سڑک پر لے آئے، بازار میں لے آئے، ڈھول اور طبل کے ساتھ لے آئے، دنیا سمجھتی ہے کہ یہی اسلام ہے، حالانکہ اسے اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ ایسے ہی مسلمان ہوتے ہیں، اور مسلمان یہی سب کرتے ہیں، حالانکہ یہ اعمال مسلمانوں کے نہیں ہیں۔

یہ شور یہ ہنگامے شرعی اعتبار سے تو غلط در غلط ہیں ہی، خاص ہندوستان کے ماحول ومزاج کے اعتبار سے ان کی صورت حال مزید سنگین ہے، ان مجمعوں میں کیسے لوگ اکٹھے ہوتے ہیں، سب جانتے ہیں، کبھی کبھی یہ لاخیرے اور اوباش نوجوان وہ حرکتیں کر جاتے ہیں جن کا خمیازہ پوری قوم کو بھگتنا پڑتا ہے، کوئی شرارت کر دی، اور فساد پھوٹ پڑا، پھر جان ومال اور جائداد واملاک کا ناقابل تلافی نقصان ہوتا ہے۔

یہ تجربہ بار بار ہوا ہے، اور ہوتا ہے، مگر آنکھیں نہیں کھلتیں، کاش اس پر وہ لوگ بھی غور کرتے، جو خود کو علماء کی صف میں رکھتے ہیں، اور وہ ان خرافات کی سرپرستی کرتے ہیں، انھیں عظمتِ رسول اور عقیدتِ اولیاء کی سند عطا فرماتے ہیں، حالانکہ وہ جانتے ہیں، یہ نہ رسول کی تعظیم ہے اور نہ اولیاء کی عقیدت ہے، بلکہ یہ صرف نفس کی خواہشات کے کرشمے ہیں۔

شرکت وبدعات کی ان خرافات نے امت کو بے حد وحساب مصائب میں مبتلا کر رکھا ہے، ان کا احتساب اخلاص کے ساتھ کیا جانا چاہئے۔ یہ تمام علماء کی ذمہ داری ہے، جس کا جتنا دائرہ ہو، اس میں جدوجہد کرنا اس کا فریضہ ہے۔ **أللهم وفقنا لماتحب وترضىٰ من القول والعمل والفعل والنية والهدىٰ إنك علىٰ كل شئ قدير۔** (حدیث دردِل: ص:۶۹)

محبتِ دنیا اور موت کا خوف

حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھیؒ

عَنْ ثَوْبَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُوْشَكُ الْاُمَمُ أنْ تَدَاعىٰ عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْاٰكِلَةُ إلىٰ قَصْعَتِهَا فَقَالَ قَائِلٌ وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ قَالَ بَلْ أنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيْرٌ وَلٰكِنَّكُمْ غُثَآءٌ كَغُثَآءِ السَّيْلِ وَلَيَنْزِعَنَّ اللهُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ وَلَيَقْذِفَنَّ فِىْ قُلُوْبِكُمُ الْوَهْنَ، قَالَ قَائِلٌ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَمَا الْوَهْنُ قَالَ حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَّةُ الْمَوْتِ (رواه ابو داؤد والبيهقى فى دلائل النبوة. مشکوٰۃ ص:۴۵۹)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ وقت قریب ہے کہ تمہاری مثال اس پیالہ کی سی ہوگی، جس میں تیار شدہ کھانا موجود ہو اور لوگ اس کے ارد گرد بیٹھے ہوئے ایک دوسرے کو یہ کہہ کر دعوت دیں کہ آؤ بھائی! اس کو کھالو، اس پر ایک شخص نے تعجب سے کہا، کیا لوگوں کو یہ جرأت اس لئے ہوگی کہ ہماری تعداد اس زمانہ میں بہت کم ہوجائے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، نہیں! اس دن تم عدد کے لحاظ سے بہت ہوگے، لیکن تمہاری مثال اس خس وخاشاک کی سی ہوجائے گی جو بارش کے بہتے ہوئے پانی کے اوپر تیرتا نظر آتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے (تمہاری بداعمالی کی وجہ سے) تمہارا خوف اور رعب نکال دے گا۔ اور تمارے دلوں میں الوھن ڈال دے گا۔ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الوھن کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دنیا کی محبت اور موت کا خوف۔

موجودہ دور میں مسلمان اپنے دشمنوں کے درمیان جس طرح گھرے ہوئے ہیں اور ہر طرف سے ان کو عالم سے نیست ونابود کرنے کے لئے جس طرح دشمنوں کی نظریں بڑی لاپروائی کے ساتھ ہماری طرف لگ رہی ہیں، ان کی سب سے زیادہ سچی تصویر ان الفاظ سے زیادہ بہتر طریقے سے کھینچی جاسکتی ہے جو حدیث بالا میں مذکور ہوئے؟ حیرت یہ کہ ہماری ذلت ونکبت کی یہ تصویر ایسی طاقت کے زمانے میں کھینچی جارہی تھی جب کہ اس بات کا سمجھنا مخاطبین کو اتنا بعید معلوم ہورہا تھا کہ اس کا سبب پوچھے بغیر آخر کار ایک شخص سے رہا نہ گیا۔ پھر جن کے سامنے امت کے عروج وزوال کے تمام دور وحی کے قطعی اور یقینی ذریعہ سے سب کے سب کھول کر رکھ دئے گئے تھے، انھوں نے ہمارے اس روگ کی کتنی صحیح تشخیص کی۔ پھر کتنی مختصر کہ صرف دو لفظوں میں اس کا لب لباب نکال کر رکھ دیا۔

اگر آج ہم میں حدیث وقرآن پر یقین کی حقیقی روح موجود ہوتی تو ہم اسلام کے اسی ایک لفظ پر قربان ہوجاتے۔ کیا یہ بات نہیں کہ ہماری تعداد بحمد اللہ تعالیٰ اس وقت دنیا میں بہت بڑی تعداد ہے؟ لیکن اس کے ساتھ اگر آپ ہمارے اسلام کو کسوٹی پر کس کر دیکھیں تو آپ کو یہی ثابت ہوگا کہ ہمارا دعوائے اسلام گو بہت بلند آہنگی کے ساتھ ہورہا ہے لیکن اس میں حقیقت اتنی بھی نہیں ہے جتنی حدیث کے لفظوں میں خس وخاشاک کی ہوتی ہے۔ کیا آج ہمارے دلوں میں بلکہ روئیں روئیں میں مال کی محبت گھسی ہوئی نہیں ہے؟ کیا ہم کبھی یہ احتیاط رکھتے ہیں کہ جس مال کی محبت میں فنا ہورہے ہیں وہ حلال راستہ سے آتا ہے یا حرام راستہ سے؟ یا آنکھ میچ کر صرف اس کو سمیٹنے میں مشغول ہیں، خواہ اس میں ہمیں اپنے ملک وقوم کو کھودینا ہی کیوں نہ پڑے؟ پھر اسی کے ساتھ اپنے دلوں کی طرف غور کر کے دیکھئے کہ ان میں موت سے کتنا خوف پیدا ہوگیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مال ودولت کی محبت کے ساتھ جاں فروشی کی روح کبھی پیدا ہو نہیں ہوسکتی، اس لئے اگر چہ یہاں ''موت کا خوف'' اور ''مال کی محبت'' یہ لفظ تو دو ہیں مگر ان کی حقیقت ایک ہی ہے۔ اور جب اس کا احساس دشمنوں کو ہوجاتا ہے کہ کسی قوم میں جاں فروشی کے بجائے عیش پرستی کی روح داخل ہوچکی ہے، تو پھر فطرتاً ان کے دلوں سے ایسی قوم کا رعب وخوف نکل جاتا ہے۔ اور یہی دشمنوں کی دلیری کا باعث بن جاتا ہے۔

مشترکہ ہند میں گذشتہ دور میں مسلمانوں کے ساتھ کتنے ہی معرکے پیش آئے جن میں مسلمان نہتے تھے اور مال ودولت کی نعمت سے بھی محروم تھے، لیکن جب جنگی سرگرمیوں نے ایک بار یہ ثابت کردیا کہ مسلمانوں میں ابھی جاں فروشی کی روح باقی ہے تو ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ایسا طاری ہوا کہ وہ بتیس دانتوں کے درمیان ایک زبان ہوکر سالہا سال آرام کی نیند سویا کیے، کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ ہم اپنی کمزوریوں کا احساس کریں اور مرض وعلاج کی صحیح تشخیص وتجویز کے بعد بھی اس کے معالجہ کی طرف متوجہ نہ ہوں، **فاعتبروا یا أولی الأ بصار** (سو عبرت پکڑو اے آنکھ والو) (پ:۲۸، رکوع:۴)

اس ضمن میں یہ تنبیہ کردینی بھی موزوں معلوم ہوتی ہے کہ آج سے تیرہ سو سال پہلے قرآن کریم نے جو حکم دیا ہے وہ یہ ہے: **وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رّباط الخيل ترهبون به عدوّ الله و عدوّكم** ''اور تیاری کرو ان کے ساتھ لڑائی کے لئے جو کچھ جمع کرسکو قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے کہ اس سے دھاک بیٹھ جائے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں

پر'' (پ:۱۰، رکوع:۴) یعنی کفار کے لئے جو بھی قوت تم تیار کر سکتے ہو اس کی تیاری میں لگے رہو۔

ان میں سے اس وقت کے لحاظ سے ایک بات یہ ہے کہ جہاد کرنے کے لئے گھوڑے بھی پالو۔ یہ سب تیاری اس مقصد کے لئے ہے کہ دشمنوں پر رعب جمے اور تمہاری دھاک ان پر بیٹھی رہے۔ اس لحاظ سے ہر زمانہ میں جو آلات جدیدہ ایجاد ہوں گے ان کو بھی زیادہ سے زیادہ جمع کرنا اسی آیت کے حکم میں داخل ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے إعلاء كلمة الله کا سب سے بڑا ذریعہ سپاہیانہ زندگی اور فوجی ٹریننگ ہے اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ عیش پرستی کی زندگی چھوڑ کر ایک فوجی جواں مرد بنے اور جتنا آج وہ مادی ترقیات کے پیچھے پڑا ہوا نظر آتا ہے اتنا ہی فوجی ٹریننگ حاصل کرنے کا شوقین نظر آئے، کیونکہ جو شخص خود اپنے گھر کی حفاظت نہیں کر سکتا وہ دین وملک کی حفاظت کیا کرے گا؟

دنیا میں ملٹری (MILITARY) اور سویلین (CIVILIAN) کی تقسیم علٰیحدہ علٰیحدہ ہے، لیکن اسلام میں ہر مسلمان جس طرح نماز روزے کا مخاطب ہے اسی طرح وہ جہاد کا بھی مخاطب ہے، لیکن آہ! اسلام سے غفلت کی بدولت ہماری ترقی کی راہیں اتنی مسدود ہیں کہ آج ہماری پبلک سب کی سب مسلح کر دی جائے جیسا کہ عہدِ سلف میں رہا کرتی تھی، تو شاید سب سے پہلے مسلمان کا ہتھیار مسلمان کے گھر گھر میں استعمال ہونے لگے کہ تعددِ ازدواج اور برتھ کنٹرول (BIRTH CONTROL) کے مسائل پر غور کرنے کی ضرورت ہی باقی نہ رہے یعنی مسلمانوں کی کثرت خود اپنے ہاتھوں اتنی قلت میں تبدیل ہو جائے کہ پانی اور غذا کی فراہمی کی جو مشکلات درپیش ہیں ہماری بدنصیبی سے ان کی حاجت باقی نہ رہے۔ کتنا افسوس ہے کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ ہم میں کا ایک ایک فرد بہادری اور طاقت میں رستم واسفندیار تھا، لیکن جب کبھی مسلمانوں کے درمیان اختلاف کی نوبت آتی تو ہم ہی سب سے زیادہ نہتے اور سب سے زیادہ بزدل نظر آتے تھے، پھر جب عالم کے انقلابات نے نقشہ بدلا اور خونریزی کا بازار خود مسلمانوں کے درمیان گرم ہو گیا تو اسی دن سے ہمارا دورِ انحطاط شروع ہو گیا۔ اور بدقسمتی سے وہ انحطاط صرف ملکی نہ تھا بلکہ اس سے زیادہ دینی تھا اور آج نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ ہم جو کبھی مخلوقِ خدا کا بوجھ اٹھایا کرتے تھے، خود اپنا بوجھ بھی اٹھانے کے قابل نہ رہے اور اپنے دشمنوں سے بھیک مانگ مانگ کر بڑی ذلت کے ساتھ اپنی زندگی کے دن کاٹ رہے ہیں۔

وقت اب بھی نہیں گیا ہے، اگر ہم آج بھی مل کر قرآن کریم کی آیتوں پر صحیح صحیح عمل کرنا شروع کر دیں تو ہمارے دن پھر جائیں اور ہم اسی عزت کی حیات کے مالک نظر آئیں۔

محرم کا پیغام؟

حضرت مولانا عبدالماجد صاحب دریابادیؒ

چاند کی سالانہ گردش ایک بار پھر اپنا دورہ تمام کر چکی۔اسلامی جنتری میں ''قربانی'' کا مبارک مہینہ اور مبارک دن گذر چکا۔اور''شہادت'' کا مبارک مہینہ اور مبارک دن آ پہنچا۔عید قربان کا مہینہ اگر اس لیے تھا کہ آپ اپنا سب کچھ حق کی راہ میں لٹا دیں،تو محرم کا مہینہ یہ پیام لاتا ہے کہ آپ خود اپنے کو شہادت کے لئے پیش کر دیں۔پچھلا مہینہ'' آپ سے'' مانگ رہا تھا۔اگلا مہینہ'' آپ کو'' مانگ رہا ہے۔ دنیا کی ایک نہایت زبردست،متمدن وظالم حکومت کی کشتی حیات اسی مہینہ کی ۱۰ تاریخ کو دریائے نیل میں غرق ہوئی۔موسیٰ علیہ السلام کی مظلوم قوم کو رب موسیٰ وہارون نے اسی مبارک تاریخ کو آزادی دلائی۔ اور اللہ کے کلیم نے اس ''یوم آزادی'' کی مستقل یادگار روزۂ عاشوراء کی شکل میں قائم کر دی۔دنیا کے سب سے بڑے ہادی،سب سے بڑے معلم اور سب سے بڑے آزادی دلانے والے نے اس پاک دن کی پاک یادگار کو یہی نہیں کہ جائز رکھا ہو، بلکہ خود بھی پابندی کے ساتھ روزہ رکھا،اور اپنی امت کو بھی اس کی تاکید فرمائی۔

ہجرت نبویؐ کے نصف صدی بعد تاریخ نے پھر اپنے تیئں دوہرایا۔اسی مہینہ کی اسی تاریخ کو، سرزمین کربلا پر،حق وباطل،ملکوتیت وحیوانیت،آزادی ملوکیت کے درمیان پھر معرکہ آرائی ہوئی۔ایک طرف دولت تھی،حکومت تھی،سلطنت تھی، مادّی قوت تھی،شاہی خزانہ تھا،شاہی فوج تھی،ہزار سپاہیوں کا لشکر جرار تھا،قوت کا نشہ تھا،حکومت قائم کرانے کی دھن تھی، دوسری طرف غربت تھی،مسکینیت تھی،فقر وفاقہ تھا،ادائے فرض کا احساس تھا،حق پرستی کے جوش سے بھرے ہوئے چند دل تھے،دلوں کے اندر حق کی راہ میں مٹنے اور مٹ جانے کا بیتاب کر دینے والا ولولہ تھا۔ باطل کے آگے نہ جھکنے والی چند گردنیں تھیں۔ لاشیں تڑپیں اور جس خون کا ایک ایک قطرہ پروردگار عالم کی نظر میں، دونوں جہانوں کے موجودات سے زیادہ قدر وقیمت رکھتا تھا،اس کی ندیاں بہیں!اللہ کے کلیم کی امت نے سب کچھ جھیل کر عاشورۂ محرم کو اپنی آزادی حاصل کی تھی۔اللہ کے حبیبؐ کے نواسہؓ نے خود اپنی جان نذر کر کے ابدی آزادی

وسرمستی حاصل کرلی۔

موسیٰ کلیم نے مع اپنی ساری امت کے، وطن سے بے وطن ہوکر عاشورۂ محرم کا استقبال کیا تھا۔ سرور عالم ﷺ روزہ کی عبادت کے ساتھ اس تقریب کو مناتے تھے۔ حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے اپنے عزیزوں اور فرزندوں کے ساتھ خود اپنی جان نذر کر کے اس روز سعید کی پیشوائی کی۔ اب ارشاد ہو کہ آپ کس طریقہ پر اس تاریخ کی پیشوائی کے لئے آمادہ ہیں؟ آپ آزادی کی خاطر جلاوطنی کے لئے تیار ہیں؟ آپ طاعت وعبادت، روزہ وریاضت کے خوگر ہیں؟ آپ فاسق حکومت کے ظلم وجبر کا مقابلہ اپنے گوشت اور پوست سے کرنے کی ہمت رکھتے ہیں؟ اگر خدانخواستہ یہ کچھ نہیں تو پھر یہ محرم کس کا ہے؟ بانس کی تیلیوں پر خوشنما کاغذ منڈھنا، ان کاغذی عمارتوں پر تیل بتی جلانا، ڈھول تاشہ بجانا، کیا یہی سامان، عاشورۂ محرم کے استقبال ومدارات کا ہے؟ یہ آپ کے دل کا گڑھا ہوا محرم آخر کس کا ہے؟ کیا ابراہیم خلیل کا؟ کیا موسیٰ کلیم کا؟ کیا خاتم النبیین ﷺ کا؟ کیا ابوبکرؓ وعمرؓ، عثمانؓ وعلیؓ کا؟ کیا حسنؓ وحسینؓ، زین العابدینؒ وجعفر صادقؒ کا؟ کیا ابوحنیفہؒ وشافعیؒ، مالکؒ واحمدؒ کا؟ کیا حسن بصریؒ وجنید بغدادیؒ، شیخ جیلانیؒ وخواجہ اجمیریؒ کا؟ آخر قرآن وحدیث، فقہ وتصوف، شریعت وطریقت، کہیں سے بھی آپ کو اس کی سند جواز ملتی ہے، کہ تاریخ اسلام کی اتنی اہم تاریخ کو آپ اس بے دردی کے ساتھ اپنی خواہش نفس کے پورا کرنے میں صرف کردیں؟

☆☆☆☆☆

(بقیہ ص:۱۹ کا)

اس لئے صحیح انداز میں دینی تعلیم وتربیت کے لئے پہلے پہل قرآنی مکاتب میں اپنے بچوں کو بھیجا جائے تا کہ تعلیم کے اعتبار سے جو سب سے پہلا نقش ان کے ذہنوں پر ابھرے وہ قرآنی آیات کا ہو، پھر اس کی روحانی برکات بچوں کی پوری زندگی پر اثرانداز ہوں گی، بزرگان دین اور امت کے مصلح حضرات کے حالات، اسلام اور دین کیلیے ان کی مجاہدانہ کوششوں کے واقعات سنائے جائیں تا کہ اسلام کی قدر و قیمت ان کے دلوں میں بیٹھے، اسلامی احکامات کی عملی مشق کرائی جائے، نمازوں کی تاکید، بڑوں کا ادب واحترام انہیں سکھایا جائے تا کہ وہ اسلامی آداب سے آگاہ ہوسکیں۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دینی تعلیم: اہمیت اور تقاضے

مولانا عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی
مدیر ماہنامہ مظاہر علوم سہارن پور

علم ایک ایسا اعزاز ہے جس نے ابتدائے آفرینش ہی سے انسانیت کو معزز اور قابل صد احترام بنایا ہے، جب حضرت آدم علیہ السلام کو مسجود ملائکہ بنایا گیا تو اس موقع پر ملائکہ اور رب کائنات کے درمیان مکالمہ پھر حضرت آدم علیہ السلام کی برتری، اس سے علم کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

علم ایک زیور ہے جو انسانیت کو سجا سنوار کر حسن کائنات بناتا ہے، تہذیب وتمدن اور آداب معاشرت اور طرز معیشت کے ایسے انداز بتاتا ہے جس سے انسانیت کو معراج حاصل ہوتی ہے اور معاشرہ امن وسکون کا گہوارہ بن جاتا ہے۔

علم سیکھنا اور اس کے حصول میں مسلسل کوشاں رہنا اسلامی تعلیمات کا ایک اہم جز ہے اس لیے کہ علم کے بغیر انسان اور چوپایوں میں فرق نہیں رہ جاتا، خود فراموشی کے ساتھ انسان خدا فراموشی کا مرتکب ہوتا ہے، اپنے مقصد تخلیق کی معرفت سے محروم رہتا ہے، علم آدمی کو اللہ کی معرفت عطا کرتا ہے اور اسے اس کی تخلیق کے مقصد حقیقی سے آگاہ کرتا ہے، احکام خداوندی کی مکمل پاسداری کرتا ہے تو دنیاوی فوز وفلاح اس کا مقدر بنتی ہے اور وہ زمانے میں سرخ رو ہوتا ہے، علم، تہذیب وتمدن سے آراستہ کر کے معاشرے کی تعمیر وترقی کا ذریعہ بنتا ہے، اسی لیے اسلامی تعلیمات میں حصول علم کے لئے بے شمار ترغیبی مضامین ملتے ہیں۔

خالق کائنات جل جلالہ نے انسان کو تمام مخلوقات پر شرف وفضیلت عطا کی ہے اور اسے اشرف المخلوقات بنایا ہے، ولقد کرمنا بنی آدم اور ہم نے بنی نوع انسان کو مکرم ومحترم بنایا یہ شرف وامتیاز اور یہ تکریم وتعظیم انسان کو زیور علم سے آراستہ ہونے کی بنا پر ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ جس ماحول اور معاشرہ میں اسلام کی تعلیمات اور خدائی اصولوں کی مکمل

پاسداری کی گئی اور رسول اکرم ﷺ کے متعین کردہ خطوط وحدود کے اندر ہی رہ کر زندگی گذارنے کی کوشش کی گئی وہ ماحول اور معاشرہ امن وسکون کا گہوارہ بنا رہا، اس معاشرہ کے ہر ہر فرد کو اطمینان قلب اور ذہنی سکون میسر رہا ہے، نتیجہ میں وہ معاشرہ دنیاوی اور اخروی عروج وترقی کی مثال بنا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا کا کوئی بھی عمل علم کے بغیر ناممکن ہے، کوئی قوم علم کے بغیر عزت حاصل نہیں کرسکتی، اس لیے کہ علم روشنی ہے اور جہالت اندھیرا ہے، علم ہی وہ ذریعہ ہے جس سے انسان کو عرفان الٰہی جیسی عظیم نعمت حاصل ہوسکتی ہے، علم ہی وہ چراغ ہے جس کی مدھم سے مدھم لو کو بھی دنیا بجھا نہیں سکتی، علم دین کی ضیا پاشیوں سے ہی شاہراہِ حیاتِ انسانی تابندہ و درخشاں ہوتی ہے اور انسانیت کو دنیا وآخرت کی فوز وفلاح حاصل ہوتی ہے، لیکن المیہ یہ ہے کہ آج اسلامی تعلیم سے منہ موڑ کر صرف اور صرف دنیوی تعلیم کے حصول میں انہماک واشتغال ہے، جو نہایت خطرناک وہلاکت خیز ہے، آج دنیوی تعلیم پر ہزاروں لاکھوں خرچ کئے جاتے ہیں، بچوں کو دنیا میں پیش آنے والے مصائب وآلام، آفت وبلیات سے بچانے کے لیے ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے، اگر خدانخواستہ ذراسی تکلیف ہوجائے تو بہتر سے بہتر ڈاکٹر اور ہسپتال کی تلاش کی جاتی ہے، بچوں کی آسائش اور ان کے آرام کے لئے نہایت مضبوط، مستحکم اور خوبصورت مکانات تعمیر کرائے جاتے ہیں، تاکہ کوئی پریشانی نہ ہو، قیمتی لباس، عمدہ بستر لذیذ کھانے اور ضروریات کی دیگر اشیا بھی بڑی فکر سے مہیا کی جاتی ہیں، لیکن صرف اس دنیائے فانی کے لیے اور آخرت کے لیے کچھ نہیں، آخر آخرت کے عذابوں سے خود کو اور انکو بچنے کے لیے کوئی فکر کیوں نہیں؟ کیا یہی اولاد سے محبت کا تقاضا ہے؟ کیا اسی کا نام پیار ہے؟ کہ دنیا میں پیش آنے والی پریشانیوں سے بچانے کی فکر تو جان جوکھم میں ڈال کر کی جائے اور لافانی اور ہمیشہ ہمیش کی زندگی میں راحت وآرام کا کوئی سامان نہ کیا جائے؟

اگر ہم نے اپنے بچوں کو دینی تعلیم نہ دی تو یاد رکھیں بارگاہ خداوندی میں جواب دینا پڑے گا حدیث پاک ہے کہ: **کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته** تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اسکی ذمہ داری کے بارے میں باز پرس ہوگی) بخاری شریف

وہ اولاد جس کے لیے پریشانیاں برداشت کی گئیں، جس کی خاطر رات دن خون پسینہ ایک کیا گیا، مرنے کے بعد وہی اولاد بے عملی اور دینی تعلیم سے نابلد ہونے کی وجہ سے کام تو کیا آئے گی، بخشش ونجات کا ذریعہ کیا بنے گی، وبال جان اور باعث عذاب بن جائے گی۔

آج ہم دنیا کی فکر میں مبتلا ہوکراپنی ذمہ داریوں سے دور ہوتے جارہے ہیں کہ اولاد کس طرف جارہی ہے۔ جب اولاد نافرمانی کرتی ہےتو اس وقت ہمیں احساس ہوتا ہےلیکن وقت جاچکا ہوتاہے،اس کی دین ودنیاہم خودتباہ کرتے ہیں۔

لہذااپنے بچوں کودینی تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنا چاہئے،وقت کی ضرورت واہمیت کے پیش نظر دنیوی تعلیم بھی دیں لیکن دنیوی تعلیم کے چکر میں اولاد کی آخرت تباہ نہ کریں. اللہ پاک ہم سب کواپنی اولادکودین اورعلم دین سکھانے کی توفیق عطافرمائے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہ نے آپ بیتی میں لکھا ہے کہ اولاد سے محبت تو فطری ہوتی ہے،مگراس سیہ کار کے ساتھ میرے والدمحترم نوراللہ مرقدہ کی محبت، تادیب میں مستور ہوگئی تھی، یہ بھی حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشاد پرعمل تھا۔حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کاارشاد ہے:کسی باپ نے اپنی اولادکوحسن ادب سے بہترکوئی عطیہ نہیں دیا۔دوسری حدیث میں ارشاد ہے:کوئی شخص اپنی اولاد کی تادیب کرے) حسن ادب سکھائے (یہ اس سے اچھا ہے کہ ایک صاع)یعنی ساڑھے تین سیرکھجور (صدقہ کرے۔اس قسم کی روایات کی بناپران کی نگاہ میں میری محبت،میری تادیب تھی،اس وقت تو فطری طور پربچپن کی وجہ سے ناگواری ہی ہونی چاہئےتھی مگر اب بہت دعائیں دیتا ہوں کہ ان کی اس سختی اورشدائد کی وجہ سے آدمیوں کی صورت میں ہوں،ورنہ معلوم نہیں کن حالات میں ذلیل وخوار پھرتا۔

والدین کی سب سے پہلی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی اولاد کی بہترین دینی تعلیم کا انتظام کریں اوران پربھرپورنظررکھیں اس لیے کہ اولاد،تربیت کے سلسلہ میں سب سے پہلانقش والدین ہی کا قبول کرتی ہےاسی مضمون کی طرف حدیث پاک میں رہنمائی کی گئی ہے۔

کل مولود یولد علی الفطر فابواہ یھودانہ اوینصرانہ او یمجسانہ (بخاری شریف)

یعنی اولاد کی تعلیم وتربیت میں والدین کا کلیدی کردار ہوتا ہے، پیدائش سے لےکرسن شعور تک پہنچنے تک والدین کوبچوں کےسلسلہ میں اسلام نے جوتعلیمات فراہم کی ہیں ان سب سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اگراولاد کی تربیت میں کوئی کمی رہ جائے گی تومستقبل میں صرف والدین ہی نہیں بلکہ پورے معاشرے کے لیے بڑےنقصان وخسران کی بات ہوگی۔ (بقیہ ص:۱۶پر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بجلی سے چلنے والی منشیات

پروفیسر ڈاکٹر گوہر مشتاق کنیکٹی کٹ (امریکہ)

حضورؐ نے اپنی احادیث میں قیامت کی جو نشانیاں بتائی تھیں ان میں یہ ذکر تھا کہ ''گھر گھر میں عورتیں ناچیں گی اور فتنہ ہر گھر میں گھس جائے گا۔'' آج ٹی وی سے زیادہ اس حدیث کا مصداق اور کوئی نہیں جس کے ذریعہ مسلمانوں میں غیر اسلامی باتیں انتہائی تیزی سے پھیلائی جارہی ہیں۔ غیر مسلموں بالخصوص یہودیوں کا ایک مخصوص ایجنڈا ہے کہ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلائی جائے تاکہ ان میں ایڈز کے مریض کی طرح ہر غلط چیز کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت ختم ہو جائے۔

حدیث رسولؐ ہے، ''میں تمہیں دجال کے متعلق ایسی بات بتاؤں گا جو مجھ سے پہلے نبیوں نے نہیں بتائی۔ وہ یہ کہ دجال کی ایک آنکھ ہوگی۔''

غور سے دیکھیں تو ٹی وی، کیبل ٹی وی، ویڈیو کیمرہ، کمپیوٹر (انٹرنیٹ) وغیرہ اور دجال میں ایک چیز قدر مشترک ہے اور وہ ہے ایک آنکھ۔ ٹی وی اور کمپیوٹر ہی ایک آنکھ والے دجال کے ایجنٹ ہیں جو ہر مسلمان کے گھر میں گھس کر فساد پھیلا رہے ہیں۔ یہ کوئی اتفاق نہیں کہ Times Worner جو کہ فلمی کمپنی ہے اور CBS ان دونوں کا نشان ایک آنکھ ہے۔

قرآن میں شراب کے متعلق ذکر ہے کہ اس کے کچھ فائدے بھی ہیں لیکن اس کے نقصانات اس کے فائدوں سے زیادہ ہیں۔ (سورہ البقرہ۔ آیت 219) اسی لئے شراب حرام ٹھہرائی گئی۔ تو کچھ یہی حال ٹی وی کا بھی ہے۔ ہمیں یہ چیز سمجھ لینی چاہئے کہ انسانی دماغ میں باطل کو حق ثابت Retinlaize کرنے کی بے پناہ صلاحیت موجود ہوتی ہے۔

یہ درست ہے کہ ٹی وی پر تلاوت اور فہمِ قرآن کے پروگرام دکھائے جاتے ہیں۔ مگر ان کے

فوراً بعد بیہودہ اور لایعنی پروگرام پیش کر کے قرآن کے اثر کو فوراً زائل کر دیا جاتا ہے۔ پھر خود تلاوتِ قرآن کرنے اور ترجمۂ قرآن پڑھنے سے جو فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ ٹی وی کے پروگرام سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ آج ٹی وی دیکھنے کا ہی یہ کرشمہ ہے کہ جن مسلمانوں نے Mel Gibson کی ہالی وڈ کی حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کے متعلق جھوٹی سچی فلم Passion of Christ دیکھی تو ان مسلمانوں نے فلم کے آخر میں حضرت عیسیٰؑ کو صلیب پر انتہائی تکلیف سے قتل ہوتے ہوئے دیکھ کر بہت آنسو بہائے بلکہ آنسو ضائع کئے حالانکہ انہی مسلمانوں نے اگر قرآن کا اردو ترجمہ پڑھا ہوتا تو وہ قرآن میں سورۃ النساء میں حضرت عیسیٰؑ کے متعلق پڑھتے۔

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ۔ (آیۃ 157)

اور ان لوگوں نے حضرت عیسیٰؑ کو نہ تو قتل کیا اور نہ ہی صلیب پر چڑھایا بلکہ انہی کی صورت کے کسی دوسرے شخص کو۔

پھر اللہ نے فرمایا ''اور حضرت عیسیٰؑ کو قتل نہیں کیا گیا یقیناً بلکہ ان کو اٹھالیا اللہ نے اپنی طرف۔''

ٹی وی اور خبریں:

خبروں کے حصول کے لیے بھی ٹی وی کی افادیت محلِ نظر ہے۔ نیل پوسٹ مین Neil Postman امریکہ کا ایک بہت بڑا مفکر ہے اور یہاں کی نیویارک یونیورسٹی کے کمیونیکیشن ڈیپارٹمنٹ کا سربراہ ہے۔ اس نے اپنی کتاب How to watch TV News میں دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ٹی وی پر خبریں دینے کا اصل مقصد صرف لوگوں میں سنسنی پھیلانا اور اشتہارات Advertisements کا فروغ ہوتا ہے اور ریسرچ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ اخبارات پڑھتے ہیں وہ ان لوگوں کے مقابلے میں جو ٹی وی پر خبریں دیکھتے ہیں کہیں زیادہ ملکی حالات سے باخبر ہوتے ہیں۔ کیونکہ اخبار میں خبر زیادہ تفصیل سے ہوتی ہے اور صفحے پر لکھی تحریر ٹی وی کی اسکرین کے مقابلے میں زیادہ بہتر ہوتی ہے۔

ٹی وی اور موسیقی:

ٹی وی پر ہر وقت موسیقی والے پروگرام دکھائے جاتے ہیں۔ حالانکہ حضورؐ نے احادیث میں

واضح طور پر موسیقی کو حرام قرار دیا مثلاً (مشکوٰۃ شریف باب الغناء) گانا بجانا دل میں منافقت کو اسی طرح اگاتا ہے جس طرح پانی کھیتی کو اگاتا ہے۔

ٹی وی ڈرامے:

ٹی وی ڈرامے جن کے انتظار میں لوگ بے چین ہوتے ہیں اور اپنی روزمرہ کی خصوصاً شام کی مصروفیات کو ان ڈراموں کے اوقات کے مطابق ڈھالتے ہیں تاکہ کہیں ڈرامہ مس نہ ہو جائے، یہ ڈرامے معیارِ زندگی بلند کرنے کا درس دے کر لوگوں میں بے چینی پیدا کرتے ہیں (یعنی ہمارے پاس فلاں چیز نہیں) اور انہیں مادہ پرست بناتے ہیں، مرد اور عورت دونوں کو جاب کرتا دکھا کر گھر میں خوشحالی کا تاثر دیتے ہیں اور اپنی مذہبی روایات سے بغاوت سکھاتے ہیں۔

ٹی وی کے نقصانات......جدید سائنسی تجزیہ:

امریکہ کے ارباب فکر ونظر نے ٹی وی کے نقصانات کا سائنسی تجزیہ کر کے بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ان میں نیل پوسٹ مین کی کتاب Amusing Overselves to Death، جیری مینڈر کی کتاب Four Arguments for Elimination of Television اور میری ون کی کتاب The Plug-in Drugs (یعنی بجلی سے چلنے والی منشیات) شامل ہیں۔ جیری مینڈر Jerry Mander کی تو اپنی اشتہارات کی کمپنی تھی جس کی اس نے 15 سال صدارت کی اور پھر ٹی وی کے بزنس سے توبہ کی اور گھر کا بھیدی ہونے کی حیثیت سے ٹی وی اور کمپیوٹر کی سیاہ کاریوں کے متعلق ایک تحریک شروع کی۔ اسی طرح Jane Healy ph.D ایک Educational Psychologist ہے اور اس کا اس میدان میں 35 سالہ تجربہ ہے۔ان تمام محققین کی ریسرچ کی بنیاد پر مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

ٹی وی اسکرین پر مناظر یا تصاویر Images سیکنڈ کے 30 ویں حصے سے زیادہ تیزی کیساتھ حرکت کرتے ہیں جس کی وجہ سے دماغ میں ان کو جانچنے اور پرکھنے Analyze کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی اور انسانی دماغ ان کی اچھائی برائی کی تمیز کئے بغیر ان کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔Passive Receptance

2. امریکہ میں اعداد وشمار سے پتہ چلتا ہے کہ ایک عام امریکی شہری ہفتے میں 30 گھنٹے ٹی وی

دیکھتا ہے۔ جبکہ والدین اپنے بچوں کو روزانہ 15 منٹ سے بھی کم وقت دیتے ہیں۔ چونکہ مسلمان ممالک ہر چیز میں امریکہ کی اندھی تقلید کرتے ہیں اس لیے اس معاملے میں مسلمان والدین کا حال بھی یہی ہوگا۔

3. پچھلے 20 سالوں میں جیسے جیسے بچوں میں ٹی وی کا دیکھنا عام ہوا ہے اسی رفتار سے امتحانوں میں بچوں کی کارکردگی بد سے بدتر ہوئی ہے۔

4. ٹی وی دیکھنا چونکہ ایک Passive مشق ہے اس لئے اس کی وجہ سے لوگوں میں سستی کی طرف میلان پیدا ہوتا ہے۔

5. ماہرین نفسیات کی کئی سالوں کی تحقیق کا نچوڑ یہ ہے کہ لوگ جب ٹی وی پروگرام (ڈرامے اور فلمیں) دیکھتے ہیں تو وہ ان ڈراموں میں پیش کیے گئے حالات کو لاشعوری طور پر اپنی روزمرہ زندگی پر نافذ apply کرنے کی کوشش کرتے ہیں لوگوں میں جذباتیت کا رجحان، ایک دوسرے کیلئے غصہ اور حسد، سب کو بھڑکانے میں ٹی وی کا بہت دخل ہے۔

6. ٹی وی اور کمپیوٹر جب چلتے ہیں تو ان کی اسکرین میں سے شعاعیں Cathode, Rays نکلتی ہیں اور یہ شعاعیں ہمارے دماغوں میں پیدا ہونیوالی شعاعوں Gamma Rays پر غالب آجاتی ہیں۔ اس کے نتیجے میں دماغ میں پیدا ہونے والی نیوروکیمیکلز Neuro Chemicals میں تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ اس کے سبب سے مہلک اثرات چھوٹے بچوں اور ماں بننے والی خواتین پر پڑتے ہیں۔ چھوٹے بچوں میں توجہ مرکوز کرنے میں کمی کی بیماری Attention Deficit Syndrome میں سب سے زیادہ دخل ٹی وی کا ہے۔ اگر بچہ والدین کو تنگ کررہا ہو تو ٹی وی کے آگے بٹھانے سے بچہ وقتی طور پر تو چپ ہوجاتا ہے مگر اس کی قیمت بعد میں دینی پڑتی ہے۔

7. بیری سینڈر نے اپنی کتاب In the Abscence ofa Sacred میں بتایا ہے کہ کینیڈا کے ایک شہر میں ریڈ انڈین قبائل آباد تھے۔ جن کا رہن سہن مسلمان معاشرے جیسا تھا، یعنی بزرگوں کا احترام۔ وہاں کے سفید فام حکمرانوں نے ریڈ انڈین لوگوں کو اپنے جیسا بنانے کے لئے کوششیں کیں مگر نا کام رہے۔ آخر انہوں نے ان ریڈ انڈین قبائل کو مفت ٹی وی تقسیم کیے اور وہاں کے ٹی وی چینل پر اسی طرح کے پروگرام نشر کیے (جس طرح کے پروگرام

پاکستان اور دیگر ممالک میں دکھائے جاتے ہیں) پھر کیا تھا کہ 20 سالوں کے اندر اندر ریڈ انڈین قبائل کا معاشرتی نظام تباہ ہو کے رہ گیا۔ ان کے نوجوانوں میں بے راہ روی پھیلنا شروع ہوگئی اور نوجوانوں نے اپنے والدین کے خلاف بغاوت کر دی۔ جو کام دوسرے ذرائع نہ کر سکے وہ ٹی وی نے بڑی کامیابی سے کر دیا۔

8. ٹی وی کی ماں یعنی کمپیوٹر کا بچوں کو سکھانا اور بچوں کا انٹرنیٹ پر Chatting کرنا ایک قابلیت سمجھی جاتی ہے حالانکہ اصل قابلیت تعلیم اور مطالعہ کتب سے آتی ہے۔ کمپیوٹر تو برطانیہ اور امریکہ میں بن مانس بھی چلا لیتے ہیں۔

ٹی وی چھوڑنا ممکن ہے؟

شروع شروع میں جب ٹی وی کو ایک بندہ چھوڑ دے تو سخت بے چینی ہوتی ہے کیونکہ یہ ایک قسم کا نشہ ہے جسے میری ون نے بجلی سے چلنے والی منشیات Plug-in Drug کہا ہے۔ جب کسی نشہ آور چیز کو چھوڑیں تو Withdrawl symptoms ضرور ہوتی ہیں۔ لیکن یقین جانئے کہ آپ ایک مہینہ ٹی وی چھوڑیں تو اس کے بعد آپ کا ٹی وی دیکھنے کو دل نہیں چاہے گا۔ اللہ اور حضورؐ سے آپ کو اگر محبت ہے تو ان کی خاطر اپنا وقت ٹی وی پر برباد کرنا چھوڑ دیں۔

حضورؐ نے فرمایا ہے:

من ترک شیئاللہ عوضه الله خيراً منه۔(الحدیث)

جو اللہ کی خاطر کوئی چیز چھوڑتا ہے تو اللہ اس کے بدلے میں اس سے بہتر چیز اس بندے کو عطا فرما دیتا ہے۔

ہم ٹی وی کو اپنی زندگی سے نکال دیں تو اس کے متبادل بہت سے مشغلے ہیں۔ مثلاً

1. میاں بیوی میں سے کوئی ایک اسلامی کتاب کو پڑھے اور دوسرا اس کو سنے۔
2. خود اسلامی کتاب یا اسلامی رسالہ پڑھنا اور جب دوسری بہنوں سے ملاقات ہو تو اس کتاب کے متعلق گفتگو Discussion کرنا۔
3. بچوں کو اسلامی کہانیاں سنانا۔ یہ بات بہت چھوٹی معلوم ہوتی ہے مگر بیسویں صدی کے عظیم سائنسدان آئن اسٹائن نے ایک مرتبہ کہا تھا: ''اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا بچہ ذہین بنے تو آپ

اسے کہانیاں سنائیں۔''

کثرت، حق کا معیار نہیں ہوتی۔ قرآن پاک میں ہے: ''ان سے کہہ دو کہ پاک اور ناپاک بہر حال یکساں نہیں ہیں خواہ ناپاک کی بہتات تمہیں کتنی کشش والی کیوں نہ معلوم ہو۔ پس اے لوگو جو عقل رکھتے ہو، اللہ کی نافرمانی سے بچتے رہو۔'' (المائدہ)

جب ۱۲۵۱ء میں تاتاریوں نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجائی اور لاکھوں مسلمانوں کو قتل کیا تو اس وقت لگتا تھا کہ اب اسلام نہیں اٹھ سکے گا لیکن اس حادثے میں جو خواتین زندہ بچ گئیں انہی کی کوششوں سے وحشی تاتاریوں نے اسلام قبول کرلیا۔ آج پھر اسلام کو ایسی خواتین کی ضرورت ہے۔

مسلم خواتین کو چاہئے کہ وہ ٹی وی پر وقت ضائع کرنے کی بجائے گھر میں درسِ قرآن کا اہتمام کریں۔ اپنے بچوں کو صحابہ کرامؓ اور مسلمان علماء (مثلاً امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام ابن تیمیہؒ، امام غزالیؒ) کی سوانح عمریاں سنائیں۔ یہ بات ہمیں بہت چھوٹی نظر آتی ہے لیکن سوانح عمریوں کے بچوں اور نوجوانوں کے ذہنوں پر بہت گہرے نقوش پڑتے ہیں۔ مشہور امریکی سائیکالوجسٹ Scott Peck نے اپنی کتاب The Road Less Travelled میں لکھا ہے کہ بچوں اور نوجوانوں پر سوانح عمریوں کا بہت گہرا اثر پڑتا ہے کیونکہ وہ غیر شعوری طور پر کسی نہ کسی Role Model کو ڈھونڈ رہے ہوتے ہیں۔ جب ہم اپنے بچوں کو اسلامی رول ماڈل مہیا نہ کریں تو بچے اپنی ذہنی ضرورت کی وجہ سے ٹی وی یا فلموں سے کسی ایکٹر کو یا کسی کھلاڑی کو اپنا رول ماڈل بنالیتے ہیں اور پھر اسی کی طرح بننے میں اپنی صلاحیتیں لگا دیتے ہیں۔ اللہ ہم سب کو ایک آنکھ والے دجالی فتنے سے بچائے یعنی ٹی وی، ڈش، کیمرہ، کمپیوٹر، انٹرنیٹ وغیرہ سے۔ آمین

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''احسان'' کا وسیع مفہوم

مولانا ضیاء الدین صاحب قاسمی ندوی مدظلہ

فلاں کا مجھ پر بڑا احسان ہے، میں آپ کا احسان مند ہوں، فلاں احسان فراموش ہے، یہ وہ مروجہ جملے ہیں جو روز مرہ کی زندگی میں ہم آپ سنتے ہیں، بولتے ہیں، مگر احسان کا جو مفہوم ہمارے ذہن ودماغ میں رچا بسا ہے وہ بہت ہی محدود ہے۔ مثال کے طور پر کسی نے مصیبت کے وقت کسی مصیبت زدہ شخص کی مالی مدد کردی یا کسی مشکل معاملہ میں معاونت کردی اور اس کا کام بنادیا تو عام طور پر مذکورہ بالا جملے استعمال کئے جاتے ہیں، اسی طرح احسان فراموش ایسے شخص کے بارے میں بولا جاتا ہے جو اپنے محسن کا بدلہ ناقدری اور برائی سے دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے احسان اور محسن کے لفظ کو قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر ذکر فرمایا ہے اور آیات کریمہ کے سیاق وسباق سے ان الفاظ کی اہمیت وعظمت اور وسعت وگہرائی کا اندازہ اہل علم کو خوب اچھی طرح سے ہوتا ہے خاص کر جو حضرات قرآن کریم کے معانی ومطالب پر غور وفکر کرتے ہیں اور عربی زبان سے واقفیت رکھتے ہیں۔

ضرورت ہے کہ ہم احسان کے مفہوم کی وسعت وگہرائی کو جانیں اور اس کے ہمہ جہت معانی کو عملی شکل میں برتنے کی فکر کریں، کیونکہ اعمال صالحہ میں احسان کا سب سے بلند درجہ ہے، بغیر احسان کے ہماری زندگی کا کوئی چھوٹا بڑا عمل بارگاہ رب العلیٰ میں شرف قبولیت سے محروم رہے گا، اللہ رب العزت کے دربار میں محسنین کا ہی سب سے اونچا مقام ہے اور قرآن اسی کی ہم کو تاکید کرتا ہے، اس لئے کہ احسان کا تعلق زندگی کے ہر گوشے اور ہر شعبے سے ہے، خالص اللہ کی رضا جوئی کے جذبہ سے کسی عمل کو انجام دینا اس یقین کامل کے ساتھ کہ اللہ ہمارے عمل کو دیکھ رہا ہے اور اس کی رحمت کا سایہ محسنین پر ہمہ دم رہتا ہے۔ سورہ یوسف میں ہے:

نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَآءُ وَلَا نُضِيعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِينَ (آیت:۵۶)

اپنی رحمت سے ہم جسے چاہیں نوازتے ہیں اور محسنین کا اجر کبھی ضائع نہیں کریں گے۔

اور ذرا درج ذیل آیت میں محسنین پر ہونے والی نوازش کا وعدہ اور بشارت کا پیار بھرا انداز ملاحظہ فرمائیں:

وَاَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذٰلِكَ ذِكْرَىٰ لِلذَّاكِرِينَ (سورہ ہود:۱۱۴)

دن کے دونوں طرف اور رات کے ایک حصہ میں نماز قائم کیجئے ، بے شک اچھائیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔ یہ نصیحت ہے یاد رکھنے والوں کیلئے ، بے شک اللہ احسان کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرے گا۔

قرآن کریم کے علاوہ احادیث میں بھی اس کا ذکر بار بار آیا ہے، اسلام، ایمان اور احسان کا جامع تعارف حدیث جبریل میں آیا ہے جس میں حضرت جبریل علیہ السلام نے ایک سائل بن کر سوال کیا اور آپ ﷺ نے جواب دیا۔

فأخبرنی عن الاحسان؟ قال: أن تعبد الله كأنک تراه فان لم تكن تراه فانه يراک ۔ مجھے احسان کے بارے میں بتائیے، آپؐ نے فرمایا تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، اگر یہ حالت نہ ہو سکے تو یہ کیفیت ہو کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

اخلاص نیت اور ہر حال میں اللہ کا استحضار یہی عبادت کی اصل روح بلکہ زندگی کا ہر لمحہ اسی سے عبارت ہو، اسی کا نام بندگی ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جبریل امین اور رسول امین کے درمیان سوال وجواب کے ذریعہ اللہ نے جو سبق پڑھایا تھا، صحابہ کرام نے اپنی زندگی کو اسی سانچے میں ڈھال لیا تھا، اسی کا نام کمالِ ایمان ہے، وہ صرف اور صرف اللہ کے لئے زندگی گزارتے تھے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اخلاص نیت اور احسان واستحضار کی کن بلندیوں پر تھے اس کو سمجھنے کے لئے یہ واقعہ کافی ہوگا۔

حضرت ابوطلحہ انصاریؓ مدینہ کے مالدار وخوش حال صحابہ میں سے تھے، ان کا کھجور کا ایک بڑا باغ تھا، انتہائی گھنا اور سرسبز وشاداب، جس میں چھ سو پھل دار درخت تھے، یہ حضرت ابوطلحہ کو بہت محبوب تھا، ایک روز اپنے اسی باغ میں نفل نماز پڑھ رہے تھے، اسی دوران ایک پرندہ اندر آ گیا، اب باغ سے باہر نکلنے کے لئے چکر لگانے لگا، درختوں کی شاخیں اور پتے آپس میں اس قدر ایک دوسرے میں ملے

ہوئے تھے کہ اس کوگھبراہٹ میں راستہ نہیں مل رہا تھا، چند لمحوں کے لئے حضرت ابوطلحہ کا دھیان اللہ کی طرف سے ہٹ گیا اور پرندہ کی حالت پرغور کرنے لگے کہ واہ میرا باغ اتنا گھنا ہے کہ پرندے کوراستہ نہیں مل رہا ہے، اچانک ان کو اپنی غفلت کا احساس ہوگیا، حالت غیر ہوگئی کہ میں اللہ کے سامنے کھڑا ہوں اور باغ کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ نماز پوری کرکے سیدھے دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے ، پورا واقعہ حضور ﷺ سے بیان کرکے فرمایا حضور میرے باغ نے مجھ کو اللہ سے غافل کردیا، لہٰذا اس کا کفارہ یہی ہے کہ میں باغ کو اللہ کے لئے صدقہ کردوں۔

یہ تھی أن تعبد اللہ کأنک تراہ فان لم تکن تراہ۔ والی صحابہ کرام کی عملی زندگی، کہ جو چیز راہِ خدا میں رکاوٹ بن جاتی تھی اس سے فوراً چھٹکارا حاصل کرنے میں ہی خیر سمجھتے تھے اور احسان کی یہی کیفیت کم وبیش حسب مرتبہ تمام صحابہ کے اندر کارفرما تھی، کیونکہ وہ امام کائنات، معلم انسانیت ﷺ کے تربیت کردہ تھے، لہٰذا احسان واخلاص ان کا شعار تھا۔

احسان ، احسن یحسن سے مصدر ہے، جس کا مطلب ہے کسی کام کو اس کے تمام ضابطوں اور قاعدوں کا لحاظ کرتے ہوئے عمدہ سے عمدہ طریقہ پر پورا کرنا، کھوٹ، ملاوٹ اور کمی کا کوئی تصور اس میں نہ پایا جائے، اس اعتبار سے احسان کا مفہوم ہر دُنیوی واُخروی کام میں پایا جاتا ہے، مثلاً اگر آپ تاجر یا کاریگر ہیں تو تجارت میں دھوکہ دینا، عیب کو چھپانا، جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا، یہ سب حرکتیں تجارت کے اصول کے خلاف ہیں، ایسی تجارت پر کسی اجروثواب کا کوئی خیال دل میں نہ لائیں اگرچہ دنیاوی ومادی فائدہ آپ کو وقتی طور پرضرور محسوس ہوگا لیکن انجام کار یہ مادی نفع بھی ایک زبردست خسارے میں تبدیل ہوجائے گا، جب امانت دار سچے تاجر کا درجہ اتنا بلند ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: التاجر الامین الصدوق مع النبیین والصدیقین والشھداء (ترمذی وابن ماجہ) سچ بولنے والا ایمان دار تاجر انبیاء وصدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

امام ابوحنیفہؒ ایک بہت بڑے تاجر بھی تھے اور دور دراز تک ان کی تجارت پھیلی ہوئی تھی۔ ایک دفعہ انھوں نے کپڑے کا ایک تھان اپنے ایک کارندے کوفروخت کرنے کیلئے دیا اور فرمایا کہ دیکھو اس تھان میں فلاں عیب ہے جس کوفروخت کرنا اس کو عیب پر مطلع کرکے معاملہ کرنا تاکہ دھوکہ نہ ہو، اتفاق ایسا کہ فروخت کے وقت وہ عیب بتانا بھول گیا، خریدار بھی کوئی اجنبی آدمی تھا وہ تھان لیکر چلا گیا، ایجنٹ نے جب تھان کی رقم حوالے کی تو امام صاحب نے اس سے پوچھا کہ عیب کے بارے میں

خریدار کو بتایا تھا یا نہیں؟ اس نے کہا کہ میں تو بھول گیا تھا، امام صاحب نے پوری رقم صدقہ کر دی، یہ تھا احسان کا وہ بلند مقام اور احتیاط کا عظیم پہلو جس نے امام ابوحنیفہ کو امام اعظم بنا دیا۔

کیا آج ہم کسی مسلمان تاجر سے اس قسم کی امانت داری وراست بازی کا تصور کر سکتے ہیں؟ انھیں محسنین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَهُمْ مَا يَشَآءُ وْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ (سورۃ الزمر:۳۴)

ان کے لئے ان کے رب کے پاس وہ چیز ہے جسے وہ چاہیں، یہی نیکوکاروں کا بدلہ ہے۔

محسنین صرف اللہ کیلئے جیتے اور مرتے ہیں، اللہ کی ذات ہی ان کا مقصود ومطلوب ہے، وہ جنت کے طالب بن کر عبادت نہیں کرتے بلکہ اللہ کے طالب ہوتے ہیں، جب اللہ ان کو مل گیا تو سب نعمتیں ان کو مل گئیں۔ ان کے پیش نظر صرف اور صرف اللہ کی ذات ہوتی ہے۔

اللہ کا استحضار اور اسی کیلئے زندگی کی ہر عبادت احسان کا حقیقی مفہوم ہے پھر ہمارے عمل میں عبدیت کی شان پیدا ہوگی جو اللہ کو مطلوب ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: **هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ** (سورہ رحمٰن:٦٠) احسان کا بدلہ احسان ہے۔ ہم کو یہ آیت غور وفکر کی دعوت دیتی ہے جس رحمٰن ورحیم اللہ نے ہم پر بے شمار احسانات فرمائے، ہماری ولادت سے لیکر وفات تک اس کے انعامات واحسانات کی بارش ہم پر ہوتی رہتی ہے، اس محسن حقیقی کا ہم پر کیا حق ہے، جب انسان کسی انسان پر معمولی سا احسان کر دیتا ہے تو امید لگائے رہتا ہے کہ وہ ہمارے احسان کی قدر کرے اور احسان فراموش نہ بنے، اور اللہ تعالیٰ بھی یہی فرمارہے ہیں محسن کے احسان کا بدلہ احسان سے دو، تو پھر ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی عبادات وطاعات میں احسان کی وہی کیفیت پیدا کریں جس کی طرف حدیث شریف میں رسول اکرم ﷺ نے فرمائی ہے۔ لہٰذا ہماری نماز، ہمارا روزہ، ہمارا حج اور ہماری ہر قسم کی جانی ومالی عبادت ہمارا سارا نیک عمل صرف رضائے الٰہی کیلئے ہونا چاہئے، اور ہم احسان کے وسیع تر معانی ومطالب کو اپنے ذہن میں تازہ رکھیں، اسے صرف مالی تعاون اور مصائب ومشکلات میں مدد تک محدود نہ کریں بلکہ اس کی روح پر غور وفکر کریں اور عمل کریں، اللہ تعالیٰ نے محسنین کے اجر کے بارے میں فرمایا ہے: **وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِىْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ** (سورۃ الزمر:۳۵) ہم ان کو ان کے بہترین عمل کا ثواب عطا کریں گے۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضور اکرم ﷺ کے اخلاق کریمانہ

مولانا عبدالعظیم صاحب قاسمی (ناظم مدرسہ ہذا)

خالق کائنات نے جب انسانوں کی تخلیق کی تو اسے عقل وشعور اور فہم وفراست کی دولت بے بہا سے بھی نوازا تاکہ وہ حق وناحق کے درمیان تمیز کر سکے اور ہدایت وضلالت کو سمجھ سکے، اور ایسی راہ کو اختیار کرے جو اس کے خالق ومالک کی مرضی ومنشا کے مطابق ہو۔ پھر مزید کرم یہ فرمایا کہ انسانوں کی رہنمائی کے لئے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا۔ یہ انبیائے کرام اللہ کے خاص اور منتخب بندے تھے جن پر اللہ نے وحی نازل فرمائی، عمدہ تعلیم وتربیت اور اخلاقِ فاضلہ سے نوازا۔ اور سب سے اخیر میں جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو سارے جہاں کے لئے رسول ونبی بنا کر مبعوث فرمایا، سب سے اعلیٰ اخلاق کا حامل بنایا اور تمام عمدہ خصائل کا جامع بنا کر آپ کو وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ (سورۃ القلم:۴) کی سند عطا فرمائی، اور آپ کی زندگی کو انسانیت کے لئے نمونہ بنایا۔ ارشاد ربانی ہے: لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃ (سورۃ الاحزاب:۲۱)

آپ ﷺ نے دنیا والوں کے سامنے وہ اخلاق کریمانہ پیش کئے ہیں کہ تاریخ انسانیت اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے، یہاں اختصار کے ساتھ آپ ﷺ کے اخلاق کریمانہ اور صفات حمیدہ کو پیش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

قرآن کریم کی آیات اور ذخیرۂ احادیث آپ کے فضائل وشمائل اور خصائل حمیدہ سے بھرے پڑے ہیں، ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ اپنوں، غیروں، مردوں، عورتوں، بچوں، بوڑھوں، غلاموں، باندیوں، غریبوں، امیروں ہر ایک سے کس بلند اخلاق سے پیش آتے تھے۔

بچوں کے ساتھ حسن اخلاق:

دیکھئے آپ ﷺ نے بچوں کے ساتھ کیسی شفقت کا معاملہ اور پیار ومحبت کا نمونہ پیش کیا ہے:

آپ ﷺ بچوں کے ساتھ بے انتہا شفقت فرماتے تھے، جو بچے قریب آتے آپ ان کو گود میں لیتے اور بڑی محبت سے کھلاتے، کبھی بچے کے سامنے اپنی زبان مبارک نکالتے جس سے بچہ خوش ہوجاتا، کبھی لیٹے ہوتے تو اپنے قدموں کے تلووں پر بچے کو بٹھالیتے اور کبھی سینہ اطہر پر بٹھالیتے خصوصاً یتیموں کے ساتھ اور بھی محبت کا معاملہ فرماتے۔'' یہ تھی آپ کے اخلاق کی بلندی۔

خادموں کے ساتھ حسن سلوک:

دنیا کی کسی بھی قوم کی تاریخ پڑھ جایئے اور اس قوم کے رؤسا، امراء اور دولت مندوں کی سوانح حیات کا مطالعہ کر جایئے آپ کو یہی ملے گا کہ امراء نے ہمیشہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ ظلم وزیادتی اور ناانصافی کا معاملہ کیا ہے حتیٰ کہ جبر وتشدد سے کام لیا ہے، آج بھی بہت ساری قوموں کے حالات کچھ ایسے ہی ملیں گے، مگر دیکھئے کہ محمد عربی ﷺ نے غلاموں، کمزوروں اور ماتحتوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ''میں آٹھ برس کا تھا جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور برابر دس برس تک خدمت نبوی میں رہا مگر اس طویل مدت میں کبھی ایک مرتبہ بھی آپ ﷺ نے اُف تک نہیں کہا اور نہ یہ فرمایا کہ یہ کام کیوں کیا؟ اور وہ کام کیوں نہ کیا۔'' (تاریخ اسلام اکبر شاہ)

یتیموں کے ساتھ حسن سلوک:

اسلام کی آمد سے قبل روئے زمین پر یتیموں اور بے کسوں کا کوئی حامی ومددگار نہ تھا، ان بیچاروں کو اپنی زندگی جینے کا کوئی حق نہ تھا، مگر جب آپ رحمت عالم بن کر اس دار فانی میں تشریف لائے اور نبوت کے بلند مرتبہ منصب ومقام پر فائز ہوئے تو آپ نے جہالت کی رسموں کا خاتمہ فرمایا، اور سماج کے ان دبے کچلے لوگوں کو ان کا حق دلایا اور ان کے ساتھ بہترین اخلاق کا نمونہ پیش کیا۔

مدینہ کی گلیوں میں چھوٹے چھوٹے بچے نئے کپڑے پہنے عید کی خوشیاں منا رہے تھے، بچوں کے جھرمٹ میں ایک بچہ بے حد غمگین اور اداس بیٹھا تھا، حسرت ویاس کے آثار اس کے معصوم چہرے پر نمودار تھے، آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے، میلے کچیلے کپڑے پہنے نہ جانے وہ کیا سوچ رہا تھا، تاجدارِ مدینہ یہ منظر دیکھ کر بے قرار ہوگئے، اس بچے کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: پیارے! ننھے منے بچے کھیل کود رہے ہیں اور عید کی خوشیاں منا رہے ہیں آخر تجھ کو کیا ہوگیا ہے؟ یہ تو بتا تو کون ہے؟ بچے نے کہا یا رسول اللہ ''أنـا يتيم '' میرے ماں باپ زندہ نہیں ہیں، اس دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے، کس پر ناز

کروں پھر عید کی خوشیاں مناؤں، رحمت عالم ﷺ کا دل یہ سن کر پارہ پارہ ہوگیا، آپ بے چین ہو گئے، بچے کا ہاتھ پکڑا اور گھر لے گئے، حضرت عائشہ سے فرمایا اسے نہلاؤ اور نئے کپڑے پہنا کر عطر لگا دو اور فرمایا: پیارے! آج سے محمد تیرا باپ اور عائشہ تیری ماں اور فاطمہ تیری بہن اور حسن تمہارے بھائی ہیں۔

ازواجِ مطہرات کے ساتھ حسن سلوک:

مرد اور عورت دونوں کی تخلیق اللہ رب العزت نے فرمائی، پھر ان دونوں کے ذریعے ابن آدم کا سلسلہ چلایا، اللہ کے نزدیک مرد وعورت دونوں برابر ہیں، ان کے اعمال ہی اللہ کے تقرب اور دوری کا باعث بنتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ نے مردوں کو عورتوں پر ایک گونہ فضیلت عطا فرمائی، انھیں نگراں اور قوام بنایا اور عورتوں کو مردوں کے تابع بنایا، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنایا ہوا قانون ہے اس کی طرف سے مقرر کی ہوئی حدیں ہیں، جب تک مرد عورت حدود کے اندر رہتے ہیں معاشرے کا اعتدال اور توازن برقرار رہتا ہے اور جب مرد وعورت میں سے کوئی ایک صنف بھی اپنی حد سے تجاوز کرتی ہے تو معاشرے کے اندر بگاڑ شروع ہو جاتا ہے، بے حیائی وفحاشی، ظلم وستم اور حق تلفی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، جو معاشرے کی تباہی وبربادی کا سبب بنتا ہے۔

اسلام کی آمد سے پہلے عورتوں کو سماج کا سب سے کمزور وکمتر عنصر سمجھا جاتا تھا، اور ان کو جانوروں سے بھی بدتر خیال کیا جاتا تھا اور ان پر ہر ظلم کو روا سمجھا جاتا تھا اسلام نے اس ظلم وستم پر روک لگائی اور انھیں ان کے حقوق عطا کئے اور جس عزت واحترام کی یہ مستحق تھیں وہ سب عطا کیا۔ جناب نبی کریم ﷺ نے ان کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دی، خود بھی اس کو عملاً برت کر دنیا کو دکھایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں عورتوں کے ساتھ سب سے بہتر سلوک کرنے والا ہوں۔'' نیز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ''حضور ﷺ کا معمول تھا کہ عصر کی نماز کے بعد اپنی سب ازواج کے گھروں میں جاتے اور ان کی خیریت اور دیگر احوال دریافت فرماتے، اور رات کو اسی کے گھر رہتے جس کی باری کا دن ہوتا۔''

ازواج مطہرات کسی چیز کی خواہش کرتیں اور شرعاً اس میں کوئی قباحت نہ ہوتی تو آپ ﷺ اس کو پورا فرماتے، ہر حالت میں ان کی خیر خواہی اور دلجوئی فرماتے۔ حضرت عائشہ سے آپ کو بہت تعلق خاطر تھا، وہ پانی پیتیں تو آپ برتن لے لیتے اور ان کے لب کی جگہ اپنا لب مبارک رکھتے، وہ

ہڈی سے گوشت کھاتیں تو آپ ہڈی لے لیتے اور ان کے لب کی جگہ اپنا لب مبارک رکھتے، ان کی گود کو تکیہ بناتے اور گود میں سر رکھ کر قرآن پڑھتے۔

مسلمانوں کے درمیان جب تک یہ تعلیم نبوی اور اسوۂ رسول کا اثر رہا معاشرہ عدم توازن کا شکار نہیں ہوا، جب یہ تعلیمات محو ہوگئیں اور مسلمانوں نے غیروں کی روش اپنانی شروع کردی، روشن خیالی، آزادی نسواں اور مساوات کے کھوکھلے نعروں نے مسلمانوں کے ذہنوں کو الٹ پلٹ دیا اور دجال کے پجاریوں نے انسانوں کو ایسے ایسے حسین خواب دکھائے جس کی تعبیر ہی بے حیائی و بے غیرتی اور عدم مساوات سے عبارت تھی، جس کا ادراک اب خود نعرہ لگانے والوں کو بھی ہونے لگا۔ مغرب کی اس اندھی تقلید نے معاشرے کا سکون غارت کردیا ہے، موجودہ صورتحال کو دیکھتے ہوئے یہ احساس ہونے لگا ہے کہ جاہلیت اپنی تمام تر خرابیوں کے ساتھ جدید لبادے میں نمودار ہوگئی ہے۔ قدیم ہندو میں جو چیزیں رائج تھیں وہ سب نئی نئی صورتوں میں مزید خرابیوں کے ساتھ ظاہر ہورہی ہیں، انتہائی افسوس کا مقام یہ ہے کہ مسلمان جو حامل قرآن وسنت کہلاتے ہیں، وہ بھی سیلاب مغرب میں بہے جارہے ہیں اور جو زیادہ روشن خیال اور دانش مند سمجھے جاتے ہیں وہ تو اس بے دانشی پر فخر بھی کرتے ہیں۔ **یاللعجب ویاأسفا** جب کہ اس کا علاج جیسے پہلے اسوۂ نبوی میں تھا اب بھی اسی میں ہے، کاش یہ لوگ عقل وشعور سے کام لیتے۔ **فاعتبروا یا أولی الابصار**

☆☆☆☆☆

بقیہ ص: ۳۵ کا

اسی طرح سے مولانا ابوالکلام آزادؒ نے اپنے بچپن کے حالات ذکر کرتے ہوئے کتابوں سے وابستگی کی داستان رقم کرتے ہیں:

''لوگ لڑکپن کا زمانہ کھیل کود میں بسر کرتے ہیں مگر بارہ تیرہ برس کی عمر میں میرا یہ حال تھا کتاب لے کر کسی گوشہ میں جا بیٹھتا اور کوشش کرتا کہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہوں۔''

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جس شخصیت نے بھی صفحۂ عالم پر اپنے گہرے نقوش ثبت کئے ہیں، عزت وشہرت کی بلندیوں کو طے کیا ہے، اور آج ایک عالم ان سے مستفید ہورہا ہے، ان میں سے ہر ایک انھیں کتابوں کی زلف گرہ گیر کا اسیر رہا ہے، اور اسے اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا۔

سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتابوں کی اہمیت وافادیت

مولانا شفیع اللہ قاسمی، پھریہا، اعظم گڑھ

کتابوں کی اہمیت وافادیت سے کس کو انکار ہوسکتا ہے، یہ تو ایک مسلمہ حقیقت ہے جسے ہر دور اور ہر زمانے میں تسلیم کیا جاتا رہا۔ کتابیں ایک ایسا بحر بیکراں ہوتی ہیں جس کی تہہ میں بے شمار لعل وجواہر اور درِ بے بہا پوشیدہ ہوتے ہیں، جس کے ذریعہ اپنی حیاتِ مستعار کو آراستہ وپیراستہ کیا جاتا ہے، تہذیب وتمدن اور ثقافت وحضارت کا بیشتر حصہ سر کیا جاتا ہے، اسی سے انسان کا شعور بالیدہ اور اس کی عقل وفہم میں پختگی پیدا ہوتی ہے، اسی لئے ارسطو سے جب پوچھا گیا کہ وہ کسی انسان کے بارے میں کیسے کسی نتیجے پر پہونچتے ہیں، تو جواب سنئے جو ہے تو بڑا سادہ لیکن بہت ہی معنی خیز اور وسیع مفہوم کا حامل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ پہلے میں پوچھتا ہوں کہ کتنی کتابیں پڑھی ہیں اور کن کن موضوعات پر پڑھا ہے؟ کیا ہی سچا پیمانہ بتایا کہ جس کے پاس کتابیں نہیں ہیں جو کتابوں کی دنیا سے الگ تھلگ ہے وہ ثقافت سے بھی خالی ہے، ذہانت وذکاوت سے بھی خالی ہے لذت فکر اور سامان عقل سے بھی عاری ہے، اسی پر بس نہیں بلکہ کتابیں ایک بہترین اور باوفا دوست ہیں، عربی کا مشہور شاعر متنبّی کہتا ہے

خير الجليس في الزمان كتاب (زمانے میں سب سے بہترین دوست کتاب ہے)

یہ ایسی باوفا ہیں کہ حسرت وغم، رنج والم اور خوشی ومسرت ہر حال میں آپ کے پاس رہتی ہیں، یہ کتابیں علم کا ذریعہ ہیں، مینارہ علم ونور ہیں، جس کا سرا آسمان سے زمین تک جڑا ہوا ہے، یہ جہاں بابِ رزق ہیں وہیں قلوب کی صفائی اور گداز گی کا سبب بھی ہیں، یہ ایسی شان کی حامل ہیں ان کے نزدیک امیری، غریبی کوئی معنی نہیں رکھتی، یہ ہر ایک کیلئے مفید اور نفع بخش ہیں ہر عمر کے لوگوں کے ذہن وعقل اور طبائع کے لئے دلچسپی کا سامان ہیں، اگر اس سے لوگ دنیا میں عبرت ونصیحت حاصل کرتے ہیں، اور یہ قصص وواقعات کے ذریعہ ماضی کا آئینہ دکھا کر مستقبل کی راہ ہموار کرتی ہیں اور اپنے ظاہر

وباطن کو درست اور مصفّٰی ومجلّٰی کرنے کا موقع بھی فراہم کرتی ہیں۔تو دوسری طرف اس کا سرا آسمانوں سے بھی جاملتا ہے اور وہ مخلوق کا اس کے خالق سے بہت مضبوط رشتہ فراہم کرتی ہیں۔انسان کے اخلاق وکردار کو پختہ اور مضبوط بناتی ہیں، یہ علم وحکمت کے گل بوٹے کھلاتی ہیں، ادب جیسے زیور سے سجاتی ہیں، تنہائی کی بہترین رفیق ہیں، روح کی بہترین غذا ہیں۔کیا آپ کو معلوم ہے کہ معروف اسکالر البیرونی نے اپنا رشتہ کتابوں سے ایسا جوڑا تھا کہ زندگی میں سوائے دوراتوں کے کبھی بھی یہ کتابیں اس سے جدا نہ ہوئیں، ارسطو ہوں یا افلاطون، یحیٰی اندلسی ہوں یا بقی بن مخلد، بوعلی سینا ہوں یا فارابی، کارل مارکس ہوں یا میکالے یا اور بھی دوسرے نامور مصنفین ومورخین چاہے وہ عہد قدیم سے تعلق رکھتے ہوں یا دورِ جدید سے، جس کسی کا بھی نام اس جہاں میں روشن وتابندہ ہوا اور شہرت وناموری اور عزت ورفعت کی بلندیوں پر پہونچے وہ انھیں کتابوں کی دین ہے۔

کتابیں کیا ہیں؟ یہ دوسروں کے تجربات سے مستفید ہونے اور کارآمد معلومات اخذ کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں، یہ تخلیق وایجادات کی صلاحیتوں کو پروان چڑھاتی ہیں، افکار وخیالات کی بالیدگی اور شعور کی پختگی میں مدومعاون ثابت ہوتی ہیں، دل ودماغ پر ضرب لگاتی ہیں، خوابیدہ جذبے میں لرزش، سوئی ہوئی امنگوں میں جنبش اور انسان کے اندر دبی ہوئی چنگاری کو شمع فروزاں میں بدل دیتی ہیں۔یہ کتابیں گھر بیٹھے دور دراز ملکوں کا سفر کراتی ہیں، مثلاً اگر آپ کو اندلس کے متعلق کسی بھی طرح کی معلومات چاہئے تو مولانا محمد تقی عثمانی کا سفرنامہ ''اندلس میں چند روز'' پڑھئے، عالم اسلام سے متعلق کچھ معلوم کرنا ہو تو ''جہانِ دیدہ'' پڑھئے۔مورخ اسلام قاضی اطہر مبارکپوریؒ جو ایک معمولی قصبے میں پیدا ہوئے اور پروان چڑھے جیسے ایک عام قصباتی اور دیہاتی لڑکا ہوتا ہے لیکن جب انھوں نے کتابوں سے اپنا رشتہ استوار کیا تو دنیائے علم وتحقیق میں اپنی ایک مثال چھوڑ گئے، اور ساری دنیا نے ان کو تسلیم کیا اور مختلف اعزازات کے ذریعہ ان کی عزت افزائی کی گئی۔انھوں نے ان کتابوں کی بدولت اپنے گھر جامع ازہر، جامع زیتون، جامع قرطبہ اور مدرسہ نظامیہ ومدرسہ مستنصریہ بنادیا۔تنگی وعسرت کے باوجود کتابوں کے غیر معمولی ذوق وشوق کی وجہ سے **''ہر وقت بغداد وبخارا، اندلس وغرناطہ، اور عالم اسلام کی قدیم مشہور درسگاہیں اور ان کے اساتذہ وتلامذہ کے مناظر سامنے رہتے تھے اور میں ان کے حسنات وبرکات سے مستفیض ہوتا رہتا تھا۔''** (ماہنامہ ضیاء الاسلام قاضی اطہر مبارکپوری نمبر)

بے محنتِ پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا　　　روشن شرر تیشہ سے ہے خانۂ فرہاد

بقیہ ص:۳۳ پر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انسانیت وہمدردی اور حسن سلوک

اسلام کی نظر میں

مولانا محمد احمد قاسمی، مدرسہ تعلیم الاسلام جامع مسجد اعظم گڈھ

حسن خلق، صلہ رحمی اور انسانیت ومروت کی اسلام میں بڑی اہمیت ہے، انسان ہونے کی حیثیت سے ایک انسان کے دوسرے انسان پر کچھ حقوق وفرائض ہیں جن کی بجا آوری کے بغیر ایمان کے اندر کمال نہیں حاصل ہوسکتا، مومن کامل بننے کیلئے ضروری ہے کہ سارے انسانوں کی بھلائی اور خیر خواہی کا جذبہ دل میں موجود ہو۔ ان حقوق وفرائض سے عہدہ برآ ہونا ہر مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے۔

قرآن کریم میں ارشادِ خداوندی ہے:

وقولوا للناس حسناً اور لوگوں سے اچھی بات کہو

لوگوں سے اچھی بات کہنا اور اچھائی سے پیش آنا انسانیت کا فرض ہے جس میں کسی دین ومذہب کی تخصیص نہیں، دین ومذہب اور نسل وقومیت کا اختلاف اس منصفانہ برتاؤ سے باز نہ رکھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

لاتباغضوا ولاتحاسدوا ولاتدابروا وکونوا عباد اللہ اخواناً (بخاری)

آپس میں ایک دوسرے سے کینہ نہ رکھو، ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، اور نہ ایک دوسرے سے منہ پھیرو اور سب مل کر خدا کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔

اس حدیث مبارک میں انسانی برادری کا وہ نقشہ کھینچا گیا ہے کہ اگر اس پر سچائی سے عمل کیا جائے تو یہ شر وفساد سے بھری ہوئی دنیا دفعۃً جنت نشان بن جائے۔

عن معاذ بن جبلؓ أنه سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن افضل الایمان قال أن تُحِبَّ لِلّٰہ وتبغض للّٰہ وتعمل لسانک فی ذکر اللہ وماذا یارسول؟ قا؛ وأن تُحِبَّ للناس

ماتحب لنفسک وتکرہ لھم ماتکرہ لنفسک۔(معارف الحدیث، ج:۶،ص:۱۳۹)

حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ ایمان کا افضل درجہ کیا ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: یہ کہ تمہاری محبت ومؤدت اور تمہاری نفرت وعداوت بس اللہ کے واسطے ہو اور تمہاری زبان اللہ کے ذکر میں استعمال ہو۔ معاذؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ: اس کے علاوہ اور کیا یا رسول اللہ؟ تو آپؐ نے فرمایا: اور یہ کہ سب لوگوں کے لئے وہی چاہو اور وہی پسند کرو جو اپنے لئے چاہتے ہو اور پسند کرتے ہو، اور اس چیز اور اس حالت کو سب لوگوں کے لئے ناپسند کرو جس کو اپنے لئے ناپسند کرتے ہو۔

حدیث پاک کے اندر ''ناس'' کا لفظ آیا ہے جو عام ہے، اس میں تمام انسان داخل ہیں، مسلم وغیر مسلم ہر ایک کو شامل ہے، ہر ایک کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آنا اسلامی فریضہ ہے، اس حدیث کی تعلیمات پر عمل کرنا کمالِ ایمان کی دلیل ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا:

لایؤمن أحدکم حتیٰ یحب للناس مایحب لنفسہ وحتیٰ یحب المرء لایحبہ الا للہ عزوجل (مسند احمد ج:۶،ص:۲۷۲)

تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن (کامل) نہیں ہوگا جب تک کہ وہ اور لوگوں کے لئے وہی نہ پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اور جب تک وہ آدمی سے صرف خدا تعالیٰ کے واسطے پیار ومحبت نہ کرے۔

اس فرمان نبوی سے معلوم ہوا کہ یہ تمام انسانی برادری کو شامل ہے، اس کا تعلق صرف مسلمانوں سے نہیں ہے بلکہ اس میں مسلم وغیر مسلم سب شامل ہیں، اس کے بغیر ایمان میں کمال نہیں پیدا ہوسکتا، اس کی پابندی نہ کرنے والا شخص مومن کامل نہیں ہوسکتا۔

قرآن وحدیث میں پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم ہے، پڑوسی میں کوئی قید اور تخصیص نہیں ہے، پڑوسی چاہے جیسا بھی ہو، جس مذہب سے تعلق رکھتا ہو، اس کے ساتھ اچھا سلوک اور برتاؤ کرنا ہے، اس کے دکھ سکھ میں شریک ہونا ہے۔

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ واللہ لایؤمن واللہ لایؤمن واللہ لایؤمن قیل من یارسول اللہ؟ قال الذی لایأمن جارہ بوائقہ (متفق علیہ)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خدا کی قسم وہ مومن نہیں، خدا کی قسم وہ مومن نہیں، خدا کی قسم وہ مومن نہیں، صحابہ کرامؓ نے دریافت فرمایا کہ کون یارسول اللہ؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے محفوظ و مامون نہیں۔

ایک دوسری حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو خطاب فرمایا:

عن انسؓ قال قال رسول اللہ ﷺ ماآمن بی من بات شبعان وجارہ جائع الیٰ جنبہ وھو یعلم۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ آدمی مجھ پر ایمان نہیں رکھتا جو ایسی حالت میں اپنا پیٹ بھر کے رات کو سو جائے کہ اس کے برابر رہنے والا پڑوسی بھوکا ہو اور اس کو اس کے بھوکے ہونے کی خبر نہ ہو

پڑوسی کے حقوق کے متعلق حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات کا یہ اثر تھا کہ صحابہ کرام اپنے پڑوسیوں کے بھائی اور خدمت گزار بن گئے تھے، ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بکری ذبح کی، ان کے پڑوس میں ایک یہودی بھی رہتا تھا، انھوں نے گھر کے لوگوں سے دریافت کیا کہ تم نے میرے یہودی پڑوسی کو بھیجا، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا کہ مجھے جبرئیل نے پڑوسی کے متعلق نیکی و بھلائی کرنے کی اتنی تاکید کرتے رہے کہ میں نے سمجھا کہ وہ اس کو پڑوسی کے حقدار بنا دیں گے۔

آنحضرت ﷺ نے ایک یہودی خاندان کو صدقہ دیا، ام المومنین حضرت صفیہ نے اپنے دو یہودی رشتہ داروں کو تیس ہزار کی مالیت کا صدقہ کیا۔ حضور ﷺ کے زمانہ میں حضرت عمرؓ نے اپنے مشرک بھائی کو تحفہ بھیجا اور خود رسول اللہ ﷺ نے بعضوں کو ان کے مشرک والدین کے ساتھ صلہ رحمی کی اجازت مرحمت فرمائی۔

تفسیر کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ نے جب مذہبی اختلاف کی بنا پر غریب مشرکوں کی مدد سے کنارہ کشی اختیار کرنے لگے تو مندرجہ ذیل آیت اتری:

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِیْ مَنْ يَشَآءُ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ (آل عمران:۲۷۲) ان کو راہ پر لے آنا تمہارے اختیار میں نہیں، لیکن اللہ جس کو چاہتے ہیں راہ پر لے آتے ہیں اور جو کچھ خیر یعنی مال تم خرچ کرو گے وہ تمہارے ہی لئے ہے۔

ہمیں اسلام کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے تمام انسانوں کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا برتاؤ کرنا چاہئے، اور بد خلقی و بدسلوکی سے مکمل احتراز کرنا چاہئے۔ **واللہ والموفق وھو المعین**

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسلمانوں کے حقوق کے متعلق
مومن کامل ﷺ کی تعلیمات

مولانا عظیم الرحمٰن قاسمی مدرس جامعہ حسینیہ جون پور

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ (ﷺ) قَالَ حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ خَمْس رَدُّ السَّلامِ وَ عِیَادَةُ الْمَرِیْضِ وَ اِتِّبَاعُ الْجَنَازَةِ وَ اِجَابَةُ الدَّعْوَةِ وَ تَشْمِیْتُ الْعَاطِسِ. (متفق علیه)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں سلام کا جواب دینا، مریض کی عیادت کرنا جنازہ کے پیچھے جانا دعوت دینے والے کی دعوت قبول کرنا اور چھینکنے والے کی چھینک کا جواب دینا۔

اس روایت کو امام بخاریؒ نے ''کتاب الجنائز''، ''باب الامر باتباع الجنائز'' میں ذکر کیا ہے جبکہ امام مسلمؒ نے اس روایت کو ''کتاب السلام'' ''باب حق المسلم علی المسلم ردالسلام'' میں ذکر کیا ہے۔ صاحب مشکوۃ نے اس روایت کے علاوہ اسی مضمون کی دوسری روایت حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے جس میں پانچ کے بجائے چھ چیزوں کا بیان ہے اور اس میں ردسلام کی جگہ سلام کا ذکر ہے اور ایسے ہی حضرت علیؓ کی اسی مضمون کی ایک روایت ترمذی کے حوالہ سے نقل کی ہے اس میں بھی پانچ کے بجائے چھ چیزوں کا تذکرہ ہے اور اس میں بھی ردسلام کے بجائے سلام کا بیان ہے۔

مذکورہ بالا حدیث میں اس بات کا بیان ہے کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر شریعت کی جانب سے نافذ ہونے والے حقوق اور ذمہ داریاں خواہ وہ واجب ہوں کہ سنت، وہ پانچ ہیں: مسلمان کے سلام کا جواب دینا، مریض کی عیادت کرنا، جنازہ کے پیچھے جانا، دعوت دینے والے کی دعوت قبول کرنا اور چھینکنے والے کی چھینک کا جواب دینا۔

سلام کا بیان

ان پانچ حقوق میں سے پہلا حق مسلمان کے سلام کا جواب دینا ہے، سلام کرنا گو کہ سنت ہے

لیکن سلام کا جواب دینا واجب اور ضروری ہے، سلام کرنے کیلئے ''**السلام علیکم**'' الف لام کے ساتھ اور ''**سلام علیکم**'' بغیر الف لام کے دونوں طرح کہنا صحیح ہے، البتہ روایات میں عموماً الف لام کے ساتھ مذکور ہے اس لئے وہی اولی ہے، قرآن کریم نے جنتیوں کے لیے بغیر الف لام کے ''**سلام علیکم طبتم فادخلو ھا**''(سورہ زمر) اور ''**سلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبی الدار**''(سورہ رعد) استعمال کیا ہے، لہذا اہل جنت کا سلام بغیر الف لام کے ہی ہوگا۔ (شرح کتاب الادب من ابی داؤد ص ۴۶۷)

سلام کا مستحب طریقہ

سلام کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ ابتدا کرنے والا ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کہے یعنی جمع کے الفاظ کے ساتھ سلام کرے، اگرچہ جسے سلام کیا ہے وہ ایک ہی ہو اور جواب دینے والا کہے ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' یعنی علیکم سے پہلے واؤ کا اضافہ کرے۔ (طریق السالکین ج۲ ص ۳۲۹)

سلام الفت ومحبت کا ذریعہ

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ (ﷺ) لا تدخلوا الجنة حتی تومنوا و لا تومنوا حتی تحابوا اولا ادلکم علی شی اذا فعلتموہ تحاببتم ؟افشوا السلام بینکم .(مسلم شریف)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم جنت میں نہیں جاؤ گے جب تک تم ایمان نہ لاؤ اور تم اس وقت تک ایمان والے نہ ہو گے جب تک ایک دوسرے سے محبت نہ کرو، کیا میں تمہیں ایسی بات نہ بتلاؤں کہ اگر تم اس پر عمل کرو تو تمہارے درمیان محبت پیدا ہو جائے ؟ آپس میں سلام کو رواج دو۔

جنت میں داخل ہونے کے لیے ایمان لانا ضروری ہے اور ایمان میں کمال پیدا کرنے کے لیے مسلمانوں کا آپس میں اخوت و بھائی چارگی اور الفت ومحبت کے ساتھ رہنا ضروری ہے، اور سلام کرنا آپس میں پیار، محبت، اتحاد و اتفاق اور انسیت کا ذریعہ ہے اس لیے ہمیں ایک دوسرے سے خوب سلام کرنا چاہیے۔

سلام کرنے میں پہل کون کرے

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چھوٹی عمر والا بڑی عمر والے کو، گذرنے والا بیٹھنے والے کو اور تھوڑے لوگ زیادہ کو سلام کریں۔ (مشکوۃ بحوالہ بخاری ص ۳۹۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ سوار چلنے والے کو اور چلنے والے بیٹھنے والے کو سلام کریں۔　(مشکوۃ بحوالہ بخاری و مسلم ص ۳۹۷)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بچوں کے پاس سے گذرے تو آپ ﷺ نے ان کو سلام کیا۔　(مشکوۃ بحوالہ بخاری و مسلم ص ۳۹۷)

ایک شبہہ اور اس کا ازالہ

پہلی اور تیسری روایت میں یک گونہ تعارض معلوم ہوتا ہے مثلاً فرمایا کہ چھوٹی عمر والا بڑی عمر والے کو سلام کرے اور آپ ﷺ نے خود بچوں کو سلام کیا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اصل حکم تو یہی ہے کہ چھوٹے بڑوں کو سلام کریں تا کہ آدمی اپنے بڑے اور اشراف کی قدر پہچانے، ان کی توقیر کرے اور بڑھ کر ان سے سلام کرے تو اس سے معاشرہ کی شیرازہ بندی ہوتی ہے ورنہ بڑوں اور چھوٹوں میں رشتہ ٹوٹ جاتا ہے البتہ نبی کریم ﷺ یہ بات بھی جانتے تھے کہ سلام لینے میں ایک قسم کی خود پسندی ہے، چھوٹا جب بڑے کو سلام کرتا ہے تو اس کو وہ فخر محسوس کرتا ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اپنے عمل سے بڑوں کو تواضع اور خاکساری کی تلقین کی کہ ان کو سلام کرنے میں پیش قدمی کرنی چاہیے۔　(رحمۃ اللہ الواسعہ ج۵ ص ۵۴۶)

سلام کے جواب کی کیفیت

اللہ سبحانہ وتعالی سورہ نساء میں سلام کے جواب کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب تم سے سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر سلام کرو یا انہی لفظوں سے جواب دو (سورہ نساء ۸۶)

اس آیت کریمہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جب ہم سے سلام کیا جائے تو ہمیں اس سے بہتر یا اسی کے مثل جواب دینا چاہیے مثلاً اگر ہم سے کوئی صرف السلام علیکم کہے تو ہم اس کے جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہیں یا وعلیکم السلام پر اکتفاء کریں، اور اگر کوئی سلام میں السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے تو ہم جواب میں رحمۃ اللہ کے بعد وبرکاتہ کا بھی اضافہ کریں یا ورحمۃ اللہ سے جواب دیں اور اگر کوئی شخص السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے تو ہم بھی اسی کے مثل جواب دیں اس سے زیادہ کلمات کے سلسلے میں اختلاف ہے۔

عیادت مریض کا بیان

مریض کی عیادت ومزاج پرسی اور اس کی خدمت وہمدردی مسلمان کے حقوق میں سے ہے،

یہ ایک اعلی درجہ کا عمل صالح اور مقبول ترین عبادت ہے، رسول اللہ ﷺ نے جہاں مختلف احادیث میں عودالمریض (مریض کی عیادت کرو) جیسے کلمات سے اِس کا حکم دیا ہے وہیں مریض کی عیادت کر کے امت کو اس عمل کی جانب متوجہ کیا ہے۔

عیادت کرنے والا جنت کے باغ میں ہوتا ہے

عیادتِ مریض کی فضیلت بیان کرتے ہوئے حضرت ثوبانؓ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ بندہ مومن جب اپنے صاحب ایمان بندے کی عیادت کرتا ہے تو واپس آنے تک گویا وہ جنت کے باغ میں ہوتا ہے۔ (مشکوٰۃ بحوالہ مسلم)

عیادت کرنے والے کے لیے ستر ہزار فرشتوں کی دعائیں

امام ترمذیؒ مریض کی مزاج پرسی کرنے والے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے حضرت علیؓ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو مسلمان کسی مسلمان کی صبح کو مزاج پرسی کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے شام تک اس کیلئے دعا کرتے رہتے ہیں اور جس نے اس کی شام کو عیادت کی تو ستر ہزار فرشتے صبح تک اس کے لیے دعاء کرتے رہتے ہیں اور جنت میں اس کے لیے چنیدہ پھل ہوتے ہیں۔ (ترمذی ابواب الجنائز)

عیادت کرنے والا جنت میں گھر بناتا ہے

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس بندے نے کسی مریض کی عیادت کی تو اللہ کا منادی آسمان سے پکارتا ہے کہ تو مبارک تیرا عیادت کے لیے چلنا مبارک تو نے یہ عمل کر کے اپنا گھر جنت میں بنالیا۔ (معارف الحدیث بحوالہ ابن ماجہ)

عیادت کرنے والا جہنم سے دور کردیا جاتا ہے

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے اچھی طرح وضو کیا اور اخلاص کے ساتھ اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کی اس کو ساٹھ سال تک چلنے کی مقدار کے برابر جہنم سے دور کردیا گیا۔ (مشکوٰۃ شریف)

عیادت کرنے کا مسنون طریقہ

حضرت اقدس ﷺ نے مختلف احادیث میں عیادت کیسے کرنی چاہیے؟ عیادت میں

مریض کے ساتھ کیسے پیش آنا چاہیے؟ وغیرہ امور کی وضاحت فرمائی ہے، ذیل میں اس کے متعلق بعض اہم روایتوں کو نقل کیا جاتا ہے۔

مریض سے تسلی اور ہمدردی کی باتیں کریں

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ تو اس کی عمر کے بارے میں اس کے دل کو خوش کرو، (یعنی اس کی عمر اور زندگی کے بارے میں خوش کن اور اطمینان بخش باتیں کرو، مثلاً تمہاری حالت بہتر ہے ان شاء اللہ تم جلد ہی تندرست ہو جاؤ گے) اس قسم کی باتیں کسی ہونے والی چیز کو روک تو نہ سکیں گی (جو ہونے والا ہے وہی ہوگا) لیکن اس سے اس کا دل خوش ہوگا (اور یہی عیادت کا مقصد ہے)

(معارف الحدیث بحوالہ ترمذی)

مریض کیلئے دعاء

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنے گھر والوں میں سے کسی کی عیادت فرماتے تو (اس کے سر پر) دایاں ہاتھ پھیرتے اور فرماتے: **اللھم رب الناس اذھب الباس و اشف انت الشافی لا شفاء الا شفاء ک شفاء لا یغادر سقما**، اے اللہ لوگوں کے رب اس (مریض) سے تکلیف دور فرمادے اور شفاء دے دے تو ہی شفاء دینے والا ہے تیرے سوا کوئی اور شفاء دینے والا نہیں ہے، ایسی شفاء دے کہ یہ بیماری باقی نہ رہے۔

(ریاض الصالحین بحوالہ بخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ جو شخص کسی ایسے مریض کی عیادت کرے جس کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا ہے، اس کے پاس سات مرتبہ یہ کلمات کہے، اَسْأَ لُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَن يَشْفِيَکَ ، میں اللہ رب عرش عظیم سے سوال کرتا ہوں کہ تجھے شفاء عطا فرمادے، تو اللہ تعالیٰ اسے اس بیماری سے شفاء عطا فرمائیں گے۔

(ریاض الصالحین بحوالہ ترمذی)

رسول ﷺ کا یہودی لڑکے کی عیادت فرمانا

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی لڑکا نبی کریم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، وہ بیمار ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ اس کے پاس اس کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے،

اس کے سرہانے بیٹھ گئے اور اس سے فرمایا کہ اسلام قبول کرلو، اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اس کے پاس تھا، اس کے باپ نے کہا ابوالقاسم کی اطاعت کرو اور وہ اسلام لایا رسول اللہ ﷺ اس کے پاس سے باہر نکلے اور فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے جس نے اسے آگ سے بچالیا۔

(ریاض الصالحین بحوالہ بخاری)

بیمار کے اہل خانہ سے مریض کا حال دریافت کرنا مستحب ہے

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ علیؓ بن ابی طالب رسول اللہ ﷺ کے پاس سے باہر آئے جبکہ آپ مرض وفات میں تھے، ان سے لوگوں نے پوچھا اے ابوالحسن! رسول اللہ ﷺ کیسے ہیں؟ انہوں نے کہا بحمد اللہ اب آپ بہتر ہیں۔ (ریاض الصالحین بحوالہ بخاری)

جنازہ میں شرکت کا بیان

یہ اسلام کی خوبیوں میں سے ہے کہ جب کسی مسلمان کا انتقال ہوتا ہے تو اس کو اچھی طرح غسل دیا جاتا ہے، پاک صاف کپڑا پہنایا جاتا ہے، اس کے حق میں دعائے مغفرت کر کے عزت کے ساتھ زمین میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ جب کسی مسلمان کی وفات ہو جائے تو اس کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا یہ ایک مسلمان کا اخلاقی فریضہ ہے۔

جنازہ میں شرکت کی فضیلت

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو آدمی ایمان کی صفت کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے کسی مسلمان کے جنازے کے ساتھ جائے اور اس وقت تک جنازے کے ساتھ رہے جب تک کہ اس پر نماز پڑھی جائے اور اس کے دفن سے فراغت ہو تو وہ ثواب کے دو قیراط لیکر واپس ہوگا جن میں سے ہر قیراط احد پہاڑ کے برابر ہوگا اور جو آدمی صرف نماز جنازہ پڑھ کر واپس آجائے تو وہ ثواب کا ایک قیراط لے کر واپس آئے گا۔

(مشکوۃ بحوالہ بخاری و مسلم ص ۱۴۴)

میت کے حق میں دعاء

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم کسی میت کی نماز جنازہ پڑھو تو پورے اخلاص کے ساتھ اس کے حق میں دعاء کرو۔

(مشکوۃ بحوالہ ابوداود و ابن ماجہ ص ۱۴۶)

رسول اللہ ﷺ کا میت کیلئے دعاء کرنا

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی جنازے پر نماز پڑھتے تھے تو اس میں یوں دعاء کرتے تھے'' اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَ مَیِّتِنَا وَ شَاھِدِنَا وَ غَائِبِنَا وَ صَغِیْرِنَا وَ کَبِیْرِنَا وَذَکَرِنَا وَ اُنْثَانَا ،اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَہ مِنَّا فَاَحْیِہ عَلَی الاسْلَامِ وَ مَنْ تَوَفَّیْتَہُ مِنَّا فَتَوَفَّہُ عَلَی الْاِیْمَانِ ،اے اللہ ہمارے زندوں کی اور مردوں کی ،حاضروں کی اور غائبوں کی ،چھوٹوں کی اور بڑوں کی مردوں کی اور عورتوں کی ، سب کی مغفرت فرما،اے اللہ جس کو تو ہم میں سے زندہ رکھے اس کو اسلام پر قائم رکھتے ہوئے زندہ رکھ،اور جس کو تو اس عالم سے اٹھائے اس کو ایمان کی حالت میں اٹھا!

(معارف الحدیث بحوالہ مسند احمد،ابوداود،ترمذی،ابن ماجہ ج۳ص۴۷۸)

نماز جنازہ پڑھنے کا طریقہ

نمازِ جنازہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ میت کو آگے رکھ کر امام اس کے سینے کے مقابل کھڑا ہو جائے اور سب لوگ یہ نیت کریں ،میں نے یہ ارادہ کیا کہ نماز جنازہ پڑھوں جو اللہ کیلئے نماز ہے اور میت کیلئے دعاء ہے ، یہ نیت کر کے دونوں ہاتھ تکبیر تحریمہ کی طرح کانوں تک اٹھا کر ایک مرتبہ اللہ اکبر کہہ کر دونوں ہاتھ باندھ لیں ، پھر ثنا پڑھیں ، پھر اس کے بعد ایک مرتبہ اللہ اکبر کہیں ،مگر اس مرتبہ ہاتھ نہ اٹھائیں اس کے بعد درود شریف پڑھیں ،افضل یہی ہے کہ وہی درود شریف پڑھا جائے جو نماز میں پڑھا جاتا ہے ، پھر ایک مرتبہ اللہ اکبر کہیں ،اس مرتبہ بھی ہاتھ نہ اٹھائیں اس تکبیر کے بعد میت کیلئے دعاء کریں ، جب دعاء سے فارغ ہو جائیں تو پھر ایک مرتبہ اللہ اکبر کہیں اور اس مرتبہ بھی ہاتھ نہ اٹھائیں اور اس تکبیر کے بعد سلام پھیر دیں ۔

(انوارالقدوری بحوالہ عالمگیری ص۲۲۹)

دعوت قبول کرنے کا بیان

کسی کے خوشی وغم کے مواقع میں شرکت کر کے اس کی خوشی اور غم کو بانٹنا بھی ایک مسلمان کا اخلاقی فریضہ ہے ، کسی کے یہاں مہمانی میں جائیں تو اپنی حیثیت کے مطابق میزبان یا اس کے بچوں کیلئے کچھ ہدیے اور تحائف لے کر جائیں اس سے محبت اور تعلق میں اضافہ ہوتا ہے ۔

میزبان کو پریشانی میں نہ ڈالیں

جس کے یہاں بھی مہمان بن کر جائیں تو کوشش کریں کہ تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں الا یہ

کہ خصوصی حالات ہوں اور میز بان ہی شدید اصرار کرے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ مہمان کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ میز بان کے یہاں اتنا ٹھہرے کہ اس کو پریشانی میں مبتلا کر دے۔
(الادب المفرد)

میزبان کے حق میں دعاء کریں

جب دعوت میں کھانے پینے سے فارغ ہو جائیں تو میز بان کیلئے فراخیٔ رزق، خیر و برکت اور مغفرت و رحمت کی دعاء کریں، حضرت ابوالہیثم بن تیہانؓ نے نبی کریم ﷺ اور آپ کے کچھ اصحابؓ کی دعوت کی، جب آپ لوگ کھانے سے فارغ ہوئے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اپنے بھائی کو صلہ دو، صحابہؓ نے پوچھا: صلہ کیا دیں؟ یا رسول اللہ! فرمایا: جب آدمی اپنے بھائی کے یہاں جائے اور وہاں کھائے پیے تو اس کے حق میں خیر و برکت کی دعاء کرے، یہ اس کا صلہ ہے۔ (ابوداود)

رسول اللہ ﷺ کا میزبان کے لیے دعاء کرنا

نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ حضرت سعد بن عبادۃؓ کے یہاں تشریف لے گئے، حضرت سعدؓ نے روٹی اور زیتون پیش کیا آپ ﷺ نے تناول فرمایا اور یہ دعاء فرمائی: **افطر عندکم الصائمون و اکل طعامکم الابرار و صلت علیکم الملائکة** (ابوداود)

''تمہارے یہاں روزے دار افطار کریں، نیک لوگ تمہارا کھانا کھائیں اور فرشتے تمہارے لئے رحمت و مغفرت کی دعاء کریں''۔ (آداب زندگی ص ۲۰۴)

چھینکنے کا بیان

مذہب اسلام ایسا جامع اور کامل و مکمل ضابطۂ حیات ہے جو اپنے ماننے والوں کی ہر شعبہ اور ہر موقع کے لیے صحیح اور مفید رہنمائی کرتا ہے، مسلمان کے حقوق میں سے چھینکنے والا ہے (جب وہ الحمدللہ سے فارغ ہو جائے) تو **یرحمک اللہ** کے ذریعہ دعاء دینا بھی ہے۔

چھینکنے والا کیا کرے؟

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اسے الحمدللہ کہنا چاہیے۔ (مشکوۃ بحوالہ بخاری ص ۴۰۵)

حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب چھینک آتی تو آپ اپنے ہاتھ یا کپڑے سے چہرۂ مبارک کو ڈھک لیتے تھے اور پست آواز سے چھینکتے تھے۔

(مشکوۃ بحوالہ ترمذی ص ۴۰۶)

چھینک آنے پر حمد کرنے کی حکمت

چھینک آنے پر حمد کرنا دو وجہ سے مشروع ہے:

(۱) چھینک آنا ایک قسم کی شفاء ہے، اس کے ذریعہ ایسی رطوبت اور جراثیم دماغ سے نکل جاتے ہیں کہ اگر وہ نہ نکلیں تو کسی تکلیف یا بیماری کا اندیشہ ہے، پس صحت کی حالت میں چھینک آنا اللہ کا فضل ہے جس پر حمد ضروری ہے۔

(۲) چھینک آنے پر حمد کرنا آدم علیہ السلام کی سنت ہے، صحیح ابن حبان میں مرفوع روایت ہے کہ جب آدم علیہ السلام میں روح پھونکی گئی اور روح ان کے سر میں پہونچی تو آپ کو چھینک آئی ، پس آپ نے الحمدللہ رب العالمین کہا، جس کے جواب میں اللہ تبارک وتعالی نے یرحمک اللہ فرمایا۔

(رحمۃ اللہ الواسعہ بحوالہ البدایہ والنہایہ ص ۵۶۲)

چھینکنے والے کے لیے دعاء

جب چھینکنے والا حمد سے فارغ ہو جائے تو سننے والے کو اس کے حق میں دعاء کرنی چاہیئے حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اسے چاہیے کہ الحمدللہ کہے اور اس کے بھائی کو چاہیئے کہ یرحمک اللہ کہے اور پھر چھینکنے والا ''یهديكم الله اور يصلح بالكم '' کہے۔ (مشکوۃ بحوالہ بخاری ص ۴۰۵)

چھینکنے والے کو دعاء دینے کی حکمت

چھینکنے والے کو یرحمک اللہ کے ذریعہ جواب دینا بھی دو وجہ سے مشروع ہے:

(۱) یہ اللہ تعالی کے اخلاق کو اپنانا ہے، کہ اللہ تعالی نے آدم علیہ السلام کی تحمید کے جواب میں یرحمک اللہ فرمایا ہے۔

(۲) تحمید کرنے والے کی دین پر اور سنن انبیاء پر استقامت کا یہ حق ہے کہ اس کو یہ دعاء دی جائے چنانچہ اس کو حقوق اسلام میں شمار کیا گیا ہے۔

(رحمۃ اللہ الواسعہ ج ۵ ص ۵۶۳)

☆☆☆☆☆

وفیات

حضرت مولانا عبدالواحد صاحب علیہ الرحمہ

(وفات: ۱۰ رمحرم ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۴ راکتوبر ۲۰۱۵ء شنبہ)

مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

۲۴ راکتوبر ۲۰۱۵ء شنبہ کو یہ خبر ملی کہ آج عصر مغرب کے درمیان استاذی حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی کے شیخ ومرشد عارف باللہ شیخ طریقت حضرت مولانا عبدالواحد صاحب علیہ الرحمہ کا انتقال ہوگیا، خبر سن کر بے ساختہ اناللہ وانا الیہ راجعون کی ربانی تسلی زبان پر جاری ہوئی۔

حضرت مولانا ۱۹۲۸ء میں غازی پور کے ایک گاؤں شیخ پور میں پیدا ہوئے۔ حفظ قرآن مدرسہ دینیہ غازی پور میں مکمل کیا، اس کے بعد وہیں عربی تعلیم مولانا قاری عبیداللہ صاحب الہ آبادی سے حاصل کی، قاری صاحب کچھ عرصہ کے بعد مدرسہ دینیہ چھوڑ کر یوسف پور چلے گئے تو مولانا بھی ان کے ساتھ وہیں چلے گئے، اور مشکوۃ شریف تک ان سے پڑھ کر پڑھ کر دارالعلوم دیوبند گئے، جہاں شوال ۱۳۶۸ھ میں دورۂ حدیث میں داخلہ لیا، اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ سے بخاری شریف پڑھی، شعبان ۱۳۶۹ھ میں فراغت حاصل کی۔ دس کتابوں کے ۵۰۰ نمبرات میں سے ۴۹۱ نمبر حاصل کر کے امتیازی پوزیشن سے کامیاب ہوئے۔ ایک بار میں نے عرض کیا کہ آپ کے نمبرات بہت اچھے ہیں تو فرمایا کہ میں امتحان کے زمانہ میں پورے ایک ماہ تک متواتر جاگ کر تیاری کی تھی، میرے پاس حضرت مدنیؒ کے درس بخاری کی چار کاپیاں موجود ہیں۔

۱۹۵۴ء میں ہجرت کر کے کراچی چلے گئے وہاں سلسلہ قادریہ کے نامور شیخ مولانا تاج محمود امروٹی کے خلیفہ حضرت مولانا حماداللہ صاحب ہالیجوی سے بیعت ہوئے اور خلعت خلافت سے نوازے گئے، حضرت مولانا مرحوم نے کراچی میں ایک ادارہ جامعہ حمادیہ سے قائم کیا، جو ایک مکتب سے شروع ہوا اور آج پاکستان کے ممتاز علمی اداروں میں سے ایک ہے، جہاں دورۂ حدیث تک تعلیم ہوتی ہے۔ اس دور قحط الرجال میں حضرت مولانا جیسی شخصیت کا اٹھ جانا ایک زبردست خسارہ ہے، قارئین کرام حضرت مولانا کی مغفرت وترقی درجات اور پس ماندگان کیلئے صبر جمیل کی دعا فرمائیں۔ آمین

انشاءاللہ اگلے شمارہ میں حضرت مولانا پر تفصیلی مضمون لکھنے کا ارادہ ہے۔